قرآن وسنت اور اسلاف امت کی تعلیمات کا داعی
دینی، علمی، ادبی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا حامل

مجلّہ صدائے حق بنگلور

سرپرست

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری زیدت معالیھم

استاذ حدیث ومدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مدیر

عبدالرزاق بنگلوری

نائب مدیر

مفتی عبدالرحمٰن بنگلوری

ناشر

مجلس، صدائے حق اسلامک پورٹل بنگلور-78

قرآن وسنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا داعی

دینی، علمی، ادبی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا حامل

مجلّہ

صدائے حق بنگلور

جلد:۰۴	شمارہ:۳	ماہ ستمبر ۲۰۲۳ء	ماہ ربیع الاوّل ۱۴۴۵ھ

سرپرست

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم

استاذِ حدیث و مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مدیر	نائب مدیر
عبدالرزاق بنگلوری	مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری

مجلس ادارت

مفتی محمد علی صاحب قاسمی

مولانا محمد اُویس صاحب رشادی

مولانا عبداللطیف صاحب قاسمی

مجلسِ مشاورت

مولانا اشرف صاحب قاسمی

مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری

مفتی عبدالفتاح صاحب قاسمی

ADVERTISEMENT TARIFF

Full Page (Title Back Cover)	6000/-
Full Page (Title Inner Cover)	5000/-

Black and White

Full Page (Inside Pages)	2000/-
Half Page (Inside Pages)	1000/-
Cuarter Page (Inside Pages)	500/-

Phone Pe & Google Pay:7406464533

مضمون نگار کی آرا سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

شائع کردہ

مجلس: صدائے حق اسلامک پورٹل بنگلور 78

فہرست مضامین

عناوین	مضامین	اسمائے محررین	صفحہ نمبر
اداریہ	نشہ کی عیاشی میں دم توڑتے ہوئے جوان	عبدالرزاق بنگلوری	۳
درسِ حدیث	دنیا اور آخرت کی مثال	مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری	۶
سیرتِ نبویؐ	دہر میں اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اُجالا کردے	مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب	۱۱
تذکرۂ صحابہؓ	حضرت زبیر بن عوامؓ کا ایک دلچسپ اور عبرت آموز واقعہ	مفتی عبداللطیف صاحب قاسمی	۱۴
اصلاحِ معاشرہ	بہتر (۷۲) حُوریں	مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی	۱۸
// // //	قلب کو اخلاقِ محمودہ سے مزین کرنے کا بیان	مفتی محمد سلطان خان صاحب قاسمی	۲۱
تحقیقات	مشہور نعت: ''نبیٔ اکرم، شفیع اعظم'' کا نقلی وعقلی جائزہ	مولانا محمد یاسین صاحب قاسمی	۲۷
// // //	ماہِ ربیع الاوّل اور ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم	مفتی احمد اللہ نثار صاحب قاسمی	۳۸
مقالات	اخلاق واوصاف	مولانا محمد اویس صاحب رشادی	۴۸

اطلاعِ عام

نوٹ: مضمون نگار اپنے مضامین مندرجہ ذیل ای میل (E-mail) یا واٹسیپ (WhatsApp) پر ان پیج (InPage) فائل روانہ کرسکتے ہیں، جزاکم اللّٰہ خیراً وأحسن الجزاء.

Email: muftiabdurrahman57@gmail.com
Whatsapp No: 09620795460 - 9739349433

اداریہ

نشہ کی عیاشی میں دم توڑتے ہوئے جوان

از: عبدالرزاق بنگلوری

موجودہ دَور میں نشے کی دیوانگی نوجوانوں کو برباد کر کے قبر کے گڑھے تک پہنچا رہی ہے اور اِس کا استعمال سراسر نقصان وخسران ہے، نشے کے نقصانات ظاہر ہیں، سب سے بڑا نقصان تو خود اس کی صحت کا ضیاع ہے، نشہ آور چیز اپنے استعمال کرنے والے کے گُردے، پھیپھڑے، جگر، معدہ، اعصاب، پٹھے اور جسم کا سارا نظام تباہ کر دیتی ہے۔

نشہ آور چیزیں اپنے عادی کی صحت، فیملی، لائف، کیریئر، کاروبار، زندگی سب کو کھنڈر بنا کر آخر کار موت کے منھ میں دھکیل دیتی ہے اور نشہ کا دیوانہ اپنی ہَوس کو پورا کرنے کے لیے ہر جرم کا ارتکاب کر کے حیوانیت کو شرمسار کرتا ہے، بالآخر یہ نشہ آور اشیاء سرمایہ داروں کو دولت سے، صنعت کاروں کو صنعت کاری سے، دوشیزاؤں کو عصمت وعزت سے اور اہلِ علم کو فہم وفراست سے اور خود جانتے بوجھتے لوگوں کو حلال وحرام کی تمیز کرنے سے دُور کر رہی ہیں اور لوگ ایک ہنستی کھیلتی زندگی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتے ہیں، خصوصاً مسلم معاشرے کو درپیش اِس اہم ترین مسئلے سے نہ تو آنکھیں چُرائی جاسکتی ہیں اور نہ ہی اپنی پروان چڑھتی ہوئی نسل کو اس کے رحم وکرم پر چھوڑا جاسکتا ہے، نشہ آور اشیاء میں سے سب سے بڑی نشہ آور چیز شراب ہے، جس کی قباحت قرآن اور حدیث میں بالکل واضح ہے، اور آخرت میں شرابی کا انجام بھی بہت بُرا ہے، آج امت میں شراب عام ہو چکا ہے، اور شراب کا عیب جیسا ہونا چاہیے ماحول میں ایسا باقی نہیں رہا، باپ بیٹے کے سامنے اور بیٹا باپ کے سامنے شراب پی رہا ہے، اور کسی میں کوئی غیرت باقی نہیں رہی اور شراب کی قباحت اور بُرائی کے سلسلے میں امام منذری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الترغیب والترہیب'' میں ۵۷/احادیث نقل فرمائی ہیں، اُن میں سے ایک حدیث ہم یہاں نقل کر دیتے ہیں، جو ترمذی شریف کے اندر بھی موجود ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں ۱۰/قسم کے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے:

(۱) شراب بنانے والے ملازم پر

(۲) وہ شخص جو اپنے لیے شراب بنواتا ہے

(۳) شراب پینے والے پر
(۴) شراب اِدھر سے اُدھر لے جانے والے پر
(۵) جس کے واسطے اِدھر سے اُدھر لے جایا جائے
(۶) شراب پلانے والے پر
(۷) شراب بیچنے والے پر
(۸) شراب کی قیمت کھانے والے پر
(۹) شراب خریدنے والے پر
(۱۰) جس کے لیے شرابی خریدی جائے اُس پر لعنت بھیجی ہے۔

(ترمذی شریف:۲۴۲/۱،الترغیب والترہیب للمنذریؒ: ج/۳،ص/۱۷۴)

آخرت میں شرابی کا حشر یہ ہوگا کہ جہنم کے اندر زانیہ عورتوں کو جو عذاب دیا جائے گا اُن میں سے ایک عذاب یہ بھی ہوگا کہ اُن کی شرم گاہ سے گنداخون اور پیپ اِس طریقے سے کثرت کے ساتھ بہنے لگے گا کہ اُس کے بہنے کی وجہ سے باقاعدہ ایک نہر بن جائے گی، تو شرابی کو اِس طرح زانیہ عورتوں کی شرم گاہوں سے بہتا ہوا خون اور پیپ کی نہر سے پلایا جائے گا، اور یہی شرابیوں کے کھانے پینے کی غذا ہوگی۔

(الترغیب والترہیب للیافعی:ص/۱۵۷)

نہایت عبرت حاصل کرنے کا مقام ہے کہ دنیا ہی میں اس کو کئی طرح کی بیماریاں لاحق ہوجاتی ہیں، شرابی کے بدن سے ایک خطرناک بدبو آنے لگے گی جس کی وجہ سے اُس کی بیوی بچے بھی اُس کے قریب آنا گوارا نہیں کریں گے اور اس کی عقل وفراست مار کھا جاتی ہے اور وہ اپنے بیوی بچوں پر ظلم کرنے لگتا ہے اور بدن کا کوئی عضو اُس کا صحیح سالم نہیں رہتا اور فرشتے اُس کے قریب ہونا تو دُور کی بات لوگ بھی اُس سے نفرت کرنے لگیں گے اور یہی عالم ہوتا ہے بیڑی، سگریٹ اور گٹکا کھانے والوں کا، کہ اُن کے منھ سے اِس قدر بدبو آنے لگتی ہے کہ دوست واقارب بھی قریب نہیں آتے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے بدبودار شخص کو مسجد میں آنے سے منع کیا ہے؛ کیوں کہ مسجد اللہ کا گھر ہے اور وہاں فرشتوں کا ماحول ہمیشہ سجا رہتا ہے، اور اس کی بدبو سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے، بجائے دعا پر آمین کہنے کے فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں، اِسی وجہ سے فقہائے کرام نے بیڑی سگریٹ نوشی اور گٹکا کھانے کو مکروہِ تحریمی لکھا ہے۔

آج امت کے اندر بڑے طبقے میں یہ ایک غذا کی شکل بن گئی ہیں، جو اس کا عادی ہوتا ہے اُس کو کھانا نہ

ملے تو کوئی حرج نہیں؛ لیکن بیڑی، سگریٹ اور گٹکا کے بغیر وہ جی نہیں سکتا، اب ہم خود غور کریں کہ جس طرح سراسر نقصان ہی نقصان ہو ایک پیسے کا بھی نفع نہ ہو اور دوسروں کو جس سے تکلیف ہوتی ہو ایسی اشیاء استعمال کر کے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بجائے راضی کرنے کے ناراض ہمارے مقدر ہو رہی ہے، اب اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کر کے زندگی گزاریں گے تو آخر اللہ کے سامنے حاضر بھی تو ہونا ہے، اُس وقت ہم اپنے خالقِ حقیقی کو کیا منھ دکھلائیں گے۔

حرفِ آخر:

میں امت کے اُس طبقے سے ہاتھ جوڑ کر گوش گزار ہوں کہ اِس لعنت سے نکل کر اپنی آخرت کو بنانے اور سنوارنے کی کوشش کریں؛ کیوں کہ نشہ کے زہر سے نسلِ نَو مَر رہی ہے، انسانیت دم توڑ رہی ہے، قوم کے مقدر کا درخشندہ ستارہ روبہ زوال ہے؛ اِسی لیے دیگر تنظیموں کی طرح سبھی کو اِس مہم کو لے کر آگے بڑھنا ہوگا، پولیس کو فُعّال اور متحرک ہو کر اِس بُرائی کو روکنا ہوگا اور حکومت وخفیہ ایجنسیوں کو چاہیے کہ وہ انسانیت کے سوداگروں کو بے نقاب کریں اور والدین کو اپنی اولاد کی ہر نقل وحرکت پر کڑی نظر رکھنی ہوگی، اگر اِس طرح مکمل تیاری کی جائے تو ہوسکتا ہے یہ تلاطم خیز سیلاب تھم سکے؛ ورنہ وہ دن دُور نہیں جب ایک گھر کے چار افراد میں سے ایک پر شراب کی پھٹکار، دوسرا گٹکے کا بیمار، تیسرا سگریٹ کی لعنت میں گرفتار اور چوتھا ڈرگس کا شکار ہوگا۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ ہم سب کی نشہ کی لعنت میں ملوث ہونے سے حفاظت فرمائے اور ہماری نسلوں کو تا قیامت اِس بُرائی سے محفوظ رکھے اور دین کی صحیح سمجھ بوجھ عطا فرمائے۔ (آمین)

درسِ حدیث

دنیا اور آخرت کی مثال

ازقلم: مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری، ناظم مدرسہ دارالتوحید، اعلیٰ ہلی بنگلور

عَنِ الْمُسْتَوْرِدِبْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: ''وَاللّٰهِ مَاالدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مِثْلُ مَايَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَاذَا يَرْجِعُ''.

(جامع الترمذی: ٥٨/٢)

حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''خدا کی قسم! آخرت (کے زمانہ اور وہاں کی نعمتوں) کے مقابلے میں دنیا (کے زمانہ اور اس کی نعمتوں) کی مثال ایسی ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی اُنگلی کو سمندر میں ڈبوئے اور پھر دیکھے کہ وہ اُنگلی کیا چیز لے کر واپس آئی ہے''۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی انگلی کو سمندر میں ڈبو کر باہر نکالے تو وہ دیکھے گا کہ اُس کی اُنگلی سمندر میں سے محض تَری یا صرف ایک آدھ قطرہ پانی کا لے کر واپس آئی ہے، پس سمجھنا چاہیے کہ آخرت کے زمانہ اور وہاں کی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا کا زمانہ اور دنیا کی تمام نعمتیں اسی قدر قلیل و کمتر ہیں جس قدر کہ سمندر کے مقابلہ میں اس کی اُنگلی کو لگا ہوا پانی؛ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ مثال بھی محض لوگوں کو سمجھانے کے لیے ہے؛ ورنہ متنہی کو غیر متناہی کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں ہوسکتی، پانی کا وہ ایک قطرہ جو دریا سے باہر آیا ہے اپنی کمتری و بے وقعتی کے باوجود سمندر سے کچھ نہ کچھ نسبت ضرور رکھتا ہے؛ مگر دنیا؛ آخرت سے اِس قدر بھی نسبت نہیں رکھتی۔!

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ اِس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ: انسان کو چاہیے کہ نہ تو نہایت جلد فنا ہوجانے والی دنیا کی نعمتوں اور آسائشوں پر مغرور ہو اور نہ اس کی سختیوں و پریشانیوں پر روئے، پیٹے اور نہ شکوہ و شکایت کرے؛ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق یہی کہے کہ:

اَللّٰهُمَّ لَاعَيْشَ إِلَّا عَيْشَ الْآخِرَةِ. اے اللہ! اصل زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔

نیز اِس حقیقت کو ہر لحہ مدّنظر رکھے کہ یہ دنیا ''مَزْرَعَةُ الْآخِرَةِ'' (آخرت کی کھیتی ہے) اور یہاں کی زندگانی

بس ایک ساعت کی ہے؛ لہٰذا اِس ایک ساعت کو گنوانے کے بجائے طالبِ الٰہی میں مصروف رکھنا ہی سب سے بڑی دانشوری ہے۔

دنیا کی زندگی کی حقیقت:

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ○﴾

(پ:۳، سورۂ الاعراف، رقم الآیۃ:۱۴، رکوع:۳)

فریفتہ کیا ہے لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے جیسے عورتیں (یعنی جب اُن میں پھنس کر آدمی خدا سے غافل ہوجائے؛ اِسی لیے حدیث میں فرمایا: "مَاتَرَكْتُ بَعْدِيْ فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ" (میرے بعد مَردوں کے لیے کوئی ضرر رساں فتنہ عورتوں سے بڑھ کر نہیں) ہاں! اگر عورت سے مقصود اعفاف اور کثرتِ اولاد ہو تو وہ مذموم نہیں؛ بلکہ مطلوب ومندوب ہے؛ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: دنیا کی بہترین متاع نیک بیوی ہے کہ اگر اُس کی طرف دیکھے تو خوش ہو، حکم دے تو فرماں بردار پائے، کہیں غائب ہو تو پیٹھ پیچھے شوہر کے مال اور اپنی عصمت کے معاملہ میں اُس کی حفاظت کرے۔ اِسی طرح جتنی چیزیں آگے متاعِ دنیا کے سلسلہ میں بیان ہوئیں سب کا محمود و مذموم ہونا نیت اور طریقِ کار کے تفاوت سے متفاوت ہوتا رہے گا؛ مگر چوں کہ دنیا میں کثرت ایسے افراد کی ہے جو عیش وعشرت کے سامانوں میں پھنس کر خدا تعالیٰ کو اور اپنے انجام کو بھول جاتے ہیں؛ اِس لیے ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ﴾ میں سطحِ کلام کی عام رکھی گئی ہے) اور بیٹے اور خزانے جمع کیے ہوئے سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے (یعنی جن پر نمبر یا نشان لگائے جائیں پانچ کلیاں گھوڑے جن کے ہاتھ پاؤں اور پیشانی پر قدرتی نشان ہوتے ہیں یا جو گھوڑے چراگاہ میں چرنے کے لیے چھوڑے گئے ہوں) اور مویشی اور کھیتی یہ فائدہ اٹھاتا ہے دنیا کی زندگی میں اور اللہ ہی کے پاس ہے اچھا ٹھکانہ (یعنی ابدی فلاح ان چیزوں سے حاصل نہیں ہوتی، محض دنیا میں چندروز فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے، کامیاب مستقبل اور اچھا ٹھکانہ چاہتے ہو تو خدا کے پاس ملے گا، اُس کی خوشنودی اور قرب حاصل کرنے کی فکر کرو)۔

ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ط

اور یہ دنیا کا جینا تو بس جی بہلانا اور کھیلنا ہے اور

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ○﴾

پچھلا گھر جو ہے سو وہی ہے زندہ رہنا اگر اُن کو سمجھ ہوتی۔

(سورۂ عنکبوت، پ:۲۱، رقم الآیۃ:٦٤، رکوع:۷)

(شیخ الہندؒ)

تشریح:

یعنی آدمی کو چاہیے کہ یہاں کی چندروزہ زندگی سے زیادہ آخرت کی فکر کرے کہ اصل ودائمی زندگی وہ ہی ہے، دنیا کے کھیل تماشے میں غرق ہوکر عاقبت کو بھول نہ بیٹھے؛ بلکہ یہاں رہ کر وہاں کی تیاری اور سفرِ آخرت کے لیے توشہ درست کرے۔

دنیا بے حیثیت چیز ہے:

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ دنیا اگر خدا کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر بھی وقعت رکھتی تو اللہ تعالیٰ اِس میں سے کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا“۔

مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی نظر میں اِس دنیا کی کچھ بھی وقعت ہوتی تو اِس دنیا کی کوئی ادنیٰ ترین چیز بھی کافر کو نصیب نہ ہوتی؛ کیوں کہ کافر، دشمنِ خدا ہے اور ظاہر ہے کہ جو چیز کچھ بھی قدر و وقعت رکھتی ہی دینے والا وہ چیز اپنے کسی دشمن کو ہرگز نہیں دیتا؛ لہٰذا دنیا کے بے وقعت اور نہایت حقیر ہونے ہی کا سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ دنیا کافروں کو دیتا ہے؛ لیکن اپنے پیارے بندوں کو نہیں دیتا۔ ایک حدیث میں اِس طرح فرمایا گیا ہے: ”دنیا (کے مال وجاہ) کا مستحق وہی شخص ہوتا ہے جس کے لیے دنیا ہی بہتر ہوتی ہے“۔

نیز کفار و فجار جو دنیا میں زیادہ خوش حال ومتمول نظر آتے ہیں وتو اس کا سبب بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں یہ دنیا بڑی ذلیل چیز ہے، جس کو وہ اپنے دوستوں (نیک بندوں) کے لیا چھا نہیں سمجھتا؛ بلکہ اس کو کوڑے کرکٹ کی طرح اُن لوگوں (کفار و فجار) کے سامنے ڈال دیتا ہے، جس سے اُس کو نفرت ہے؛ چناں چہ اس آیتِ کریمہ میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

﴿وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ○﴾

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ہوجائیں ایک دین پر تو ہم دیتے اُن لوگوں کو جو منکر ہیں رحمٰن سے اُن کے گھروں کے واسطے چھت چاندی کی اور سیڑھیاں جن پر چڑھیں۔

(سورۂ زخرف، پ:۲۵، رقم الآیۃ:۳۳، رکوع:۳)

اورایک جگہ فرمایا:

﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ○﴾ اور جو اللہ کے ہاں ہے سو بہتر ہے نیک بختوں کے واسطے۔

(سورۂ نساء، پ:٤، رقم الآیة:١٩٨، رکوع:٢٠)

اِسی طرح ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَرِزْقُ رَبِّکَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ○﴾ اور تیرے رب کی دی ہوئی روزی بہتر ہے۔ (شیخ الہندؒ)

(سورۂ طٰہٰ، پ:١٦، رقم الآیة:١٣١، رکوع:٨)

تشریح:

یعنی دنیا میں قسم قسم کے کافروں مثلاً: یہود، نصاریٰ، مشرکین اور مجوس وغیرہ کو ہم نے عیش وتنعّم کے جو سامان دیے ہیں اُن کی طرف آپ کبھی آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیے (جیسے اب تک نہیں دیکھا) یہ محض چندروزہ بہار ہے جس کے ذریعہ سے ہم اُن کا امتحان کرتے ہیں کہ کون احسان مانتا ہے اور کون سرکشی کرتا ہے، جو عظیم الشان دولت حق تعالیٰ نے (اے پیغمبر) آپ کے لیے مقدر کی ہے مثلاً: قرآنِ کریم، منصبِ رسالت، فتوحاتِ عظیم، رفع ذکر اور آخرت کے اعلیٰ ترین مراتب اُس کے سامنے اِن فانی اور حقیر سامانوں کی کیا حقیقت ہے۔ آپ کے حصہ میں جو دولت آئی وہ ان کی دولتوں سے کہیں بہتر ہے اور بذاتِ خود یا اپنے اثر کے اعتبار سے ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ بہرحال آپ نہ اُن کی تکذیب واعراض سے مضطرب ہوں نہ اِن کے ساز وسامان اور مال ودولت کی طرف نظرِ التفات اُٹھائیں۔

راحت طلبی اور تن آسانی اللہ کے خاص بندوں کے شان کے منافی ہے!

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو یہ نصیحت بھی فرمائی: ''اپنے آپ کو راحت طلبی اور تن آسانی سے بچانا؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے بندگانِ خاص آرام وآسائش کی زندگی نہیں گزارتے'' چناں چہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ○﴾ چھوڑ دے اُن کو کھالیں اور برت لیں اور اُمید میں لگے رہیں سو آئندہ معلوم کرلیں گے۔ (شیخ الہندؒ)

(پ:١٤، سورۂ حجر، رقم الآیة:٣، رکوع:١)

تشریح:

یعنی جب کوئی نصیحت کارگر نہیں تو آپ ان کے غم میں نہ پڑیے؛ بلکہ چندروز انہیں بہائم کی طرح کھانے

پینے دیجیے؛ تاکہ خوب دل کھول کر دنیا کے مزے اُڑالیں اور مستقبل کے متعلق لمبی چوڑی اُمیدیں باندھتے رہیں، عنقریب وقت آیا چاہتا ہے جب حقیقتِ حال کھل جائے گی اور اگلا پچھلا کھایا پیا سب نکل جائے گا؛ چناں چہ کچھ تو دنیا ہی میں مجاہدین کے ہاتھوں حقیقت کھل گئی اور پوری تکمیل آخرت میں ہوجائے گی۔ (فوائدِ عثمانیؒ)

دنیا قید خانہ ہے:

ایک روایت میں منقول ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے''۔

''قید خانہ'' کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی شخص قید خانہ میں بند ہوتو وہاں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے، اور طرح طرح کی مشقتیں جھیلتا ہے، اِسی طرح مؤمن کے لیے یہ دنیا بھی گویا ایک قید خانہ ہے، جہاں اس کو محنت ومشقت اور مصائب وشدائد کا سامنا کرنا پڑتا ہے، منکرات اور منہیّات (ممنوع اور خلافِ شرع اُمور) سے اپنے آپ کو بچانا پڑتا ہے، نفس کی آزادی وراہ روی کو ختم کرنا پڑتا ہے اور طاعات وعبادات کی مشقتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں یا یہ کہ مؤمن اِس دنیا کو ایک ایسی جگہ محسوس کرتا ہے جہاں تنگی وگھٹن ہوتی ہے اور جہاں وہ رہنے کو پسند نہیں کرتا؛ چناں چہ وہ ہر وقت یہی خواہش رکھتا ہے کہ وہ اس تنگ وتاریک جہاں سے نکل جائے اور فرشتوں کے عالم میں اپنی قیام گاہ بنائے اور ''دنیا کافر کے لیے جنت ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ کافر چوں کہ اپنا مقصدِ زندگی دنیا کا حصول سمجھتا ہے؛ اِس لیے وہ اپنی تمام تر سعی وکوشش اور اپنی تمام تر جدّ وجہد دنیا کی نعمتوں اور آسائشوں کو حاصل کرنے میں صَرف کرتا ہے اور پھر وہ دنیا کی لذّات وشہوات میں اِس طرح مشغول ومنہمک ہوجاتا ہے کہ اس کے لیے یہ دنیا عشرت کدہ بن جاتی ہے، جہاں سے نکلنا اُس کو گوارہ نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام کو حقیقتِ دنیا سے آشنا فرمائے، آخرت کو مطمعِ نظر بنا کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین یارب العالمین

❑❖❑

سیرتِ نبویؐ

دہر میں اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اُجالا کردے

ازقلم: مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب، سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی نام دو ہیں: (۱) احمد (۲) محمد۔

احمد کا مطلب ہے تعریف کرنے والا، اور محمد کا معنیٰ ہے قابلِ تعریف، یہ دونوں نام ''حمد'' سے نکلے ہیں؛ چوں کہ خدا تعالیٰ کو حمد اور تعریف بہت پسند ہے؛ اِس لیے اپنی پسند کی چیز سب سے پسندیدہ انسان کو دی اور آپ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ذاتی نام ''حمد'' کے مادے سے نکال کر عطا فرمائے، قرآنِ پاک میں آپ کے یہ دونوں نام استعمال کیے گئے ہیں، اسمِ احمد ایک جگہ اور اسمِ محمد چار جگہ، احمد کا ذکر سورۂ صف میں ہے: ﴿اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىۃِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ﴾ اور اسمِ محمد مندرجہ ذیل مقامات پر مذکور ہے۔

(۱) ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ﴾ (سورۂ آلِ عمران، آیت: ۱۴۴)

(۲) ﴿وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ﴾ (سورۂ محمد، آیت: ۲)

(۳) ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ﴾ (سورۂ فتح، آیت: ۲۹)

(۴) ﴿مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ﴾ (سورۂ احزاب، آیت: ۴۰)

یہ دونوں نام حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت پر دلالت کرنے والے ہیں، اِن پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دونوں نام خدا تعالیٰ نے اپنے نام سے نکال کر دیے ہیں، اس نکتے کو شاعرِ رسول حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واضح فرمایا ہے:

فشق لہ من اسمہ لیحلہ
فذو العرش محمود وھٰذا محمد

(اللہ پاک نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نام کا ٹکڑا عنایت فرمایا ہے، پس عرش والے کا نام محمود ہے اور آپ کا نام محمدؐ ہے)

ایک اور شاعر نے نکتہ پیدا کیا:

مقامے تو محمود و نامت محمد
بدیشاں مقامے و نامے کے داری

(آپ کا مقام ''مقامِ محمود'' ہے اور نام محمد، ایسا عظیم الشان نام و مقام آپ ہی کا ہوسکتا ہے)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن مبارک ناموں ہی کی مناسبت سے اِس امت کا لقب ''حمادون'' تجویز کیا گیا، قیامت کے دن جو جھنڈا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں ہوگا اُس کا نام ''لواء الحمد'' ہے، آپ پر اُتاری گئی کتاب قرآنِ کریم کا آغاز ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سے ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''احمد'' ہیں؛ اِس لیے کہ ریت کے ذرّوں، بارش کے قطروں، درخت کے پتوں اور صحرا کے سنگریزوں سے زیادہ اپنے پروردگار کی تعریف کرنے والے ہیں۔

تُرا محمد و احمد زمیں خواند و زباں
حمید باشد و محمود ذاتِ ربانی
فزوں تر از تو کشے نہ مدح گفت زماں
نہ برتر از تو کسے گفت حمد سبحانی

(زمین اور زماں نے آپ کو احمدؐ اور محمدؐ کے پاکیزہ ناموں سے پکارا، قابلِ تعریف اور محمود ذات تو پاک پروردگار کی ہے، کسی شخص کی زبان نے آپ سے زیادہ تعریف نہیں کی اور نہ آپ سے بڑھ کر اللہ کی حمد و تعریف کسی سے بن سکی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم محمد ہیں؛ اِس لیے کہ سارا زمانہ آپ کی مدح سرائی میں لگا ہوا ہے، شعراء آپ کی شان میں نعتیں لکھ رہے ہیں، ادباء سیرتِ طیبہ پر کتابیں تصنیف کر رہے ہیں، علماء آپ کے ارشادات و ہدایات کی شمع کو روشن تر کرنے کی جد و جہد میں مصروف ہیں، واعظان خوش الحان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمات کے تذکرے سے محفل کو گرما رہے ہیں اور اس احساس کے ساتھ یہ ساری کوششیں جاری ہیں کہ:

میں کیا ہوں، مری طبع ہے کیا، اے شہ شاہاں ❖ حسّان و فرزدق ہیں یہاں عاجز و حیراں
شرمندہ زمانے سے گئے وائل و سحباں ❖ قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخن داں
کیا مدح کفِ خاک سے ہو نورِ خدا کی ❖ لکنت یہیں کرتی ہیں زبانیں فصحا کی

سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں نام آپ کے کمالات، محاسن اور مکارمِ اخلاق کا آئینہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی خصوصیات، امتیازات وکمالات اور محاسن ومکارم کو اسم ''محمدؐ'' میں جمع فرمایا ہے اور تعلیم وتبلیغ، تزکیہ وسلوک، عبادت وریاضت، ایثار وقربانی اور خدمتِ خلق کی تمام کوششوں کا خلاصہ اسمِ ''احمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کو بنایا ہے، یہ دونوں مبارک نام ایسا مہکتا گلشن ہیں جس میں خوبیوں کے تمام گلہائے تروتازہ کی خوشبو بہ تمام وکمال محسوس کی جاسکتی ہے، ان اسمائے گرامی کو ایسا صاف شفاف آئینہ بنایا گیا ہے، جس میں اخلاق وکردار کی بلندی کا ہر نقش صاف صاف نظر آتا ہے۔ ؎

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کردے

❑❖❑

تذکرۂ صحابہؓ

حضرت زبیر بن عوامؓ کا ایک دلچسپ اور عبرت آموز واقعہ

ازقلم: مفتی عبداللطیف صاحب قاسمی، استاذ مدرسہ عربیہ غیث الہدیٰ بنگلور

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور عشرۂ مبشرہ میں شامل ہیں، سولہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا، اسلام کے لیے بے شمار قربانیاں دی ہیں، سن چھتیس ہجری میں ''وادیٔ سباع'' میں عمیر بن جرموز بدنصیب نے آپ کو شہید کر دیا، اسی مقام میں آپ کی تدفین عمل میں آئی، آپ کے بے شمار فضائل کتابوں میں مذکور ہیں، آپ کی ایک نمایاں صفت صفتِ امانت ہے، جس کو امانت رکھنے والے سے بطورِ قرض لیتے؛ تاکہ امانت رکھنے والے کا کوئی نقصان نہ ہو اور اس مال کو دینی تقاضوں اور ضرورت مندوں پر خرچ کرتے، جب قرض خواہ مطالبہ کرتا، تو اُس کو اس کی امانت واپس کر دیتے، اسی سے متعلق ایک دلچسپ اور عبرت آموز واقعہ پیشِ خدمت ہے، جس میں ہمارے لیے بے شمار نصیحتیں اور عبرتیں موجود ہیں۔
(سیر اعلام النبلاء: ۳۲/۳)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: جنگِ جمل کے موقع پر جب حضرت زبیرؓ نے جنگ سے توقف کرتے ہوئے کنارہ کشی کر لی، تو انہوں نے مجھے بلایا، میں ان کے پاس حاضر ہوا، انہوں نے فرمایا: بیٹے! آج ظالم یا مظلوم کے سوا کوئی قتل نہیں ہوگا اور مجھے اندیشہ ہے کہ آج میں مظلوم ہونے کی حالت میں مارا جاؤں گا اور میری سب سے بڑی پریشانی میرا قرضہ ہے، کیا ہمارا مال قرضے کی ادائیگی کے بعد بھی بچ سکتا ہے؟

پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہنے فرمایا: بیٹا ہمارے پاس جو کچھ ہے، اسے بیچ دو اور میرا قرضہ ادا کر دو، اگر قرضہ ادا کرنے کے بعد کچھ بچ جائے، تمہاری اولاد کے لیے ایک تہائی کی وصیت کرتا ہوں اور دو تہائی بطورِ وراثت تقسیم کرو۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمارے والد محترم حضرت زبیرؓ برابر تاکید کرتے رہے اور فرمایا: بیٹے! اگر ادا کرنے سے عاجز ہو جاؤ، تو میرے آقا سے مدد مانگ لو، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: خدا کی قسم! میرے ابا کے آقا و مولیٰ کون ہیں؟ میں نہیں جانتا تھا، میں نے عرض کیا: ابا جان! آپ کے آقا اور مولیٰ کون ہیں؟ فرمایا: میرے آقا و مولیٰ اللہ جل جلالہٗ ہیں، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں: خدا کی قسم! جب بھی مجھے کوئی پریشانی اور دشواری پیش آتی، تو میں کہتا: اے زبیر کے مولیٰ! ان کے قرضے کو ادا کردے، تو اللہ تعالیٰ قرضے کی ادائیگی کی صورت پیدا فرمادیتے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت زبیرؓ کو شہید کردیا گیا، انہوں نے کوئی درہم و دینار نہیں چھوڑا؛ البتہ چند زمینیں چھوڑیں، جس میں سے ''غابہ'' کی زمین بھی تھی، مدینہ میں گیارہ گھر، ''بصرہ'' میں ایک گھر، ایک گھر ''کوفہ'' میں اور ایک گھر ''مصر'' میں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت زبیرؓ پر اِس قدر قرضہ اِس لیے تھا کیوں کہ جب کوئی شخص آپ کے پاس امانت رکھنے کے لیے مال لے کر آتا، تو آپ فرماتے: میں بطور امانت نہیں رکھوں گا (اس لیے کہ اگر امانت ضائع ہوجائے، تو امین ذمہ دار نہیں ہوتا) تمہارا نقصان ہوجائے گا؛ اِس لیے بطور قرض میرے پاس جمع کردو؛ تاکہ ضائع ہوجائے تو تمہارا نقصان نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے ابا حضرت زبیرؓ نے کبھی بھی کہیں کی بھی کوئی عہدہ اور گورنری قبول نہیں کی، نہ ہی بیت المال کی طرف سے وصولی کی ذمہ داری قبول کی؛ البتہ غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدینؓ کے ساتھ اس کی ذمہ داری قبول کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حساب کیا کہ میرے ابا پر کتنا قرض ہے، تو میں نے دو کروڑ دو لاکھ پایا، پھر حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی، تو انہوں نے فرمایا: میرے بھائی پر کتنا قرضہ ہے؟ فرمایا: تو میں نے ان سے قرضہ کی مقدار کو چھپایا اور کہا: ایک لاکھ کا قرضہ ہوگا، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم! (تمہارے ابا کی میراث سے) جو مال (تمہیں ملا ہے اس سے) کا قرضہ ادا نہیں ہوگا، اس پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میرے والد صاحب کا قرضہ دو کروڑ دو لاکھ کے بقدر ہو تو کیا ہوگا؟ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اتنی بڑی مقدار کی ادائیگی تمہارے بس کی بات نہیں ہے، اگر تم لوگ اپنے ابا کی قرضے کی ادائیگی سے عاجز آجاؤ، تو مجھ سے مدد طلب کرلو۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے مدینے کے قریب ''غابہ'' نامی علاقے میں ایک زمین ایک لاکھ نوے ہزار درہم میں خریدی تھی، میں نے اُس کو دو کروڑ چھ لاکھ درہم میں فروخت کیا، پھر اعلان کیا کہ میرے والد کے ذمہ جس کا قرضہ ہو، وہ ہمارے پاس ''غابہ'' میں آجائے؛ چناں چہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ آئے، حضرت زبیرؓ پر ان کا چار لاکھ کے بقدر قرضہ تھا، انہوں نے ہمارے لیے پیش کش کی کہ اگر تم چاہو، تو مزید تمہیں مہلت دے دیتے ہیں، ہم نے کہا کہ نہیں،

قرضہ ادا کردیں گے، حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ٹھیک ہے، یہاں سے یہاں تک کی زمین مجھے دے دو؛ چناں چہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو اتنی زمین دے دی گئی؛ نیز اس زمین میں سے مزید حصے فروخت کیے اور حضرت زبیر کا مکمل قرضہ ادا کردیا، مزید اس زمین میں ساڑھے چار حصے بچ گئے۔

پھر ایک موقعہ پر میں حضرت معاویہؓ کے پاس حاضر ہوا، اُن کے پاس عمرو بن عثمان، منذر بن زبیر اور ابنِ زمعہ موجود تھے، حضرت معاویہؓ نے دریافت فرمایا: ''غابہ'' میں موجود زمین کی قیمت کتنی ثابت ہوئی؟ میں نے عرض کیا: ایک حصہ (پلاٹ) ایک لاکھ درہم، پھر دریافت کیا: کتنے حصے (پلاٹ) باقی ہیں؟ میں نے عرض کیا: ساڑھے چار حصے باقی ہیں، حضرت منذر بن زبیرؓ نے کہا: میں نے ایک لاکھ میں ایک حصہ (پلاٹ) خرید لیا، پھر عمرو بن عثمان نے کہا: میں نے ایک لاکھ میں ایک حصہ لیا ہے، ابنِ زمعہؓ نے کہا: میں نے ایک حصہ ایک لاکھ میں خرید لیا، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ابھی کتنے حصے (پلاٹ) باقی ہیں؟ میں نے کہا ڈیڑھ حصہ باقی ہے؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ ڈیڑھ حصہ میں نے ڈیڑھ لاکھ میں خرید لیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جب اپنے والد محترم کے قرضے کی ادائیگی سے فارغ ہوگئے، تو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے وارثین نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی وراثت کی تقسیم کا مطالبہ کیا، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں اپنے والد کی میراث اُس وقت تک وارثین میں تقسیم نہیں کروں گا، جب تک کہ موسمِ حج میں چار سال مسلسل یہ اعلان نہ کروں کہ حضرت زبیرؓ پر جس کا قرضہ ہو، وہ ہم سے وصول کرلے؛ چناں چہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہر سال حج کے موقع پر یہ اعلان کرتے رہے، جب چار سال گزر گئے (اور کسی قرض خواہ کی اُمید نہ رہی تو) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے وارثین میں ان کی وراثت تقسیم کردی، ایک ثلث مال میں وصیت حضرت زبیرؓ کی وصیت پوری کی، آپ کی چار بیویاں تھیں، جن میں سے ایک ایک بیوی کو ایک کروڑ ایک لاکھ درہم ملے، حضرت زبیرؓ کی کل میراث پچاس کروڑ دو لاکھ درہم ہوئی۔

(تاریخ ابنِ عساکر: ترجمہ حضرت زبیر بن عوامؓ: ۲۲۹۹)

عبرتیں اور نصیحتیں

الف: حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی سخاوت، وسعتِ ظرفی اور لوگوں سے ہم دردی اور اللہ کی خشیت معلوم ہوتی ہے، امانت مکمل حفاظت کے باوجود ضائع ہوجائے، تو شرعاً اُس کی ادائیگی لازم نہیں ہوتی، قرضے کی ادائیگی ہر حال میں لازم ہوتی ہے؛ اس لیے آپ لوگوں کی امانت کی حفاظت کی غرض سے ان کو بطور قرض رکھتے

تھے؛ تاکہ کسی کا مال ضائع نہ ہو، لوگوں سے اسی ہم دردی، خیر خواہی اور لوگوں کے فائدہ کے لیے اپنے اوپر اوپر بوجھ ڈالنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفات کے بعد آپ کے سارے قرضے کو ادا کرادیا اور آپ کے مال میں خوب برکت عطا فرمائی اور ان کے وارثین کو زیادہ مقدار میں وراثت ملی۔

ب: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بہت ہی اہتمام سے اپنے والد محترم کے قرضے کو ادا کیا، جب تک قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں اطمینان نہیں ہوگیا، تب تک وراثت بھی تقسیم نہیں کی، نیک وصالح انسان کے نیک جاں نشین ایسے ہی ہوتے ہیں۔

ج: لہٰذا آدمی کو اپنے ذمے قرضوں کی ادائیگی کی فکر ہونی چاہیے، اپنے وارثین کو اپنے قرضوں کی ادائیگی کی وصیت کرنی چاہیے؟ شریعت نے نے اس کو واجب قرار دیا ہے، وراثت کی تقسیم سے مقدم رکھا ہے۔

اصلاحِ معاشرہ

بہتر (۷۲) حُوریں

ازقلم: فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی، صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

جسمانی لذت کی ایک اہم صورت صنفِ مخالف سے جسمانی لذت اُٹھانا ہے، جو مَرد وعورت ایک دوسرے سے حاصل کرتے ہیں، قدرت نے اس دنیا میں بھی مرد وعورت کے ازدواجی رشتہ کے ذریعہ انسان کو یہ نعمت عطا فرمائی ہے، جو اس کے لیے وجہِ سکون ہے، آخرت میں یہ نعمت بھی اسے زیادہ مکمل طور پر دی جائے گی، دنیا میں جو شوہر و بیوی ایک دوسرے کے شریکِ حیات ہوتے ہیں وہ آخرت میں زیادہ بہتر صورت اور قوت کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے، عورت کے لیے چوں کہ ایک سے زیادہ شوہر کا ہونا عار اور بے حیائی کی بات ہے؛ اِس لیے جنتی عورتوں کے لیے اُن کا شوہر تو ایک ہی ہوگا؛ لیکن اُس کی قوتِ مردمی بہت بڑھی ہوئی ہوگی، بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرد کو دنیا کے مَردوں کے اعتبار سے سو مَردوں کی طاقت دی جائے گی۔ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۹۲۸۹) اور مَردوں کو ان کی دنیا کی بیوی کے علاوہ جنت کی ایک خاص نسوانی مخلوق ''حوریں'' بھی دی جائیں گی، قرآن مجید میں تو صرف ایک حور کا ذکر آیا ہے: ﴿بِحُوْرٍ عِیْنٍ﴾ (دخان: ۵۴) مگر امام بخاریؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر جنتی کو دو حوریں عطا کی جائیں گی: ''**لکلّ امرء منهم زوجتان من الحور العين**'' (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۲۵۴)

بعض روایتوں میں ۷۲/حوروں کا اور بعض میں اس سے زیادہ کا بھی ذکر آیا ہے، یہ بخاری و مسلم کی روایات میں تو نہیں ہے؛ لیکن سنن ترمذی اور بعض دوسری کتبِ حدیث میں موجود ہیں؛ لیکن یہ روایتیں ایسے راویوں سے خالی نہیں ہیں، جن کا معتبر ہونا محدثین کے نزدیک مشکوک ہے، علامہ ابنِ قیمؒ نے لکھا ہے کہ صحیح احادیث میں دو ہی حوروں کا ذکر ہے، اس سے زیادہ کا نہیں ہے: ..**والأحاديث الصحيحة إنما فيها أن لكل منهم جوجتين وليس في الصحيح زيادة علىٰ ذٰلك**'' (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة: ۲۸۲/۵) تاہم اگر اس سے زیادہ حوریں بھی دی جائیں تو باعثِ تعجب نہیں؛ کیوں کہ آخرت کے نظام کو دنیا کے نظام پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، ایسا سوچنا ہاتھی کو چیونٹی پر قیاس کرنا ہوا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اور ظالم کے ظلم کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوجانا بہت

براعمل اور عظیم الشان عبادت ہے؛ لیکن ایسا نہیں ہے کہ حور کی بشارت صرف شہید ہونے والوں کو دی گئی ہے، یہ بشارت ہر نیکوکار جنتی کے لیے ہے؛ اِس لیے جو تأثر اس وقت دیا جارہا ہے کہ بہتر حوروں کی خوش خبری دے کر نوجوانوں کو یا کسی گروہ کو دہشت گردی پر اُکسایا جارہا ہے، محض جھوٹ اور پروپیگنڈہ ہے، کسی بھی نیک عمل کی جزاء کے طور پر جو جنت کا حقدار ہوگا، اُس کے حصہ میں حور جیسی نعمت بھی آسکتی ہے، اس کے لیے شہید ہونا ضروری نہیں؛ اِس لیے سچائی یہ ہے کہ نہ دہشت گردی کا نام جہاد ہے اور نہ آخرت میں حور کا ملنا صرف جہاد کا ثواب ہے؛ البتہ یہ اعزاز واکرام آخرت کے لحاظ سے ہے، جہاں کا ماحول اور زندگی کا عیش وآرام اور نعمتوں کی فراوانی دنیاوی نعمتوں سے بالکل مختلف ہوگی۔

تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جنت اور اس کے انعام کا تصور صرف اسلام میں ہی نہیں ہے؛ بلکہ خود ہندو مذہب میں بھی ہے، اتھروید میں کئی مقامات پر سورگ کے لیے سکرتام، دیویاکم وغیرہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں؛ نیز ویدوں میں بیشتر مقامات پر جہاں ''سورگ'' کا ذکر ہے اُس سے پہلے لفظ ''لوک'' آیا ہے، جس کے معنیٰ مقام یا جہان کے ہیں، یعنی یہ کسی دوسرے جہان کا ذکر ہے، جہاں تمام خواہشات پوری کی جائیں گی اور انسان اپنی من پسند زندگی گزارے گا؛ چناں چہ بہشت اور اس کے انعامات کا تذکرہ ملاحظہ ہو:

''تیسرے لوک (عالَم) جہاں ہزاروں نہریں بہتی ہیں، طاقت اور ناقابلِ شکست ہے، اولاد پیدا کرنے کے لیے بھیجے گئے چار مہربان دیویاں جن کا مقام بہشت کے نیچے ہے گھی سے ٹپکتے ہوئے آبِ حیات کا تحفہ لائیں''۔ (رگوید منڈل ۹ سوکت ۴۴ منتر ۶)

''یقیناً آدمی وہاں جو چاہے گا حاصل کرے گا، بیویاں اپنے شوہروں سے چپکی رہیں گی اور ان کے آغوش میں لپٹی رہیں گی، دونوں محبت کی فرحت حاصل کریں گے''۔ (رگوید منڈل ۱، سوکت ۱۰۵، منتر ۹)

نیز ہندو مذہب میں مذہبی جنگ میں مارے جانے والوں کے لیے ایک ہزار اَپسرائیں (حوریں) دیے جان کا بھی ذکر موجود ہے؛ چناں چہ ایک مقام پہ کہا گیا ہے:

''ہزاروں اَپسرائیں اس کے لیے جو کہ جنگ میں مارا جاتا ہے دوڑ کر یہ کہتی ہوئی آتی ہیں کہ آپ میرے خاوند بن جائیں''۔

(مہابھارت، اشانتی پرو منڈل ۱۲، باب ۹۸، اشلوک ۴۶، بحوالہ ہندو دھرم اور اسلام کا تقابلی مطالعہ، از محمد شارق سلیم)

اور آخرت میں متعدد بیویوں کا ملنا ہرگز قابلِ تعجب نہیں؛ کیوں کہ بعض مذاہب کے مطابق تو دنیا میں اچھے لوگوں کو یہ نعمت حاصل رہی ہے؛ چناں چہ مہابھارت میں ہے:

''اس دنیا میں ظاہر ہوئے بھگوان واسودیو کی سولہ ہزار ایک سورانیاں ہوئیں، ان میں رکمنی، ستنہ بھاماں، جامونی، چاروہاسی وغیرہ آٹھ رانیاں مشہور ہوئیں''۔ (مہار بھارت:۱۵۴)

اسی طرح شری کرشن کی جو سات رانیاں تھیں، ان کے نام کالندی، متراوندا، سیتا، کام روپڑی، جاموروتی، روانی، مدراجتا بھدرا، استراجت منا، ستیہ بھامان خوبصورت بالیں والی لکشمن بہت خوبصورت تھی، ان کے علاوہ شری کرشن کی سولہ ہزار رانیاں تھیں۔ (مہابھارت انش:۸۲-۵)

فرانسیسی مؤرخ گستاؤلی بان نے ہندوستان کے ایک راجہ کی اکیس بیویوں کا ذکر کیا ہے:

''ہندوستان میں راجاؤں کے لیے یہ رسم تھی کہ ان کی کل بیویاں ان کی لاش کے ساتھ جلادی جاتی تھیں، ابھی بھی اودے پور میں سنگرام سنگھ اور اس کی اکیس رانیوں کا مقبرہ موجود ہے، جو ۱۷۳۳ء میں راجہ کے ساتھ جلی تھیں''۔ (تمدن ہند:۲۹۹)

اگر ہم ابراہیمی مذاہب کا جائزہ لیں تو بائبل میں حضرت داؤد علیہ السلام کی چھ بیویوں (احینوعم Ahinoam، معکہ Maachah، ابیجل Abigil، ابیطال Abital، میل بنت ساؤل Michal، حجیت Haggith) کا ذکر آیا ہے۔ (گنتی: ۸/۲۷) اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں تورات میں ہے کہ ان کی سات سو بیویاں اور تین سو حرم تھیں۔ (سلاطین:۱:۱۱:۳) عیسائیوں کے یہاں بھی ایک جنتی کے لیے دس بیویوں کا اشارہ ملتا ہے؛ چناں چہ انجیل میں ہے:

''اس وقت آسمان کی بادشاہت ان دس کنواریوں کی مانند ہوگی، جو اپنی مشعلیں لے کر دولہا کے استقبال کے لیے نکلیں''۔ (انجیل منی:۱:۵۱)

عیسائی مذہب چوں کہ اپنی اصل کے اعتبار سے تورات ہی کی شریعت پر ہے؛ اس لیے سمجھنا چاہیے کہ اصلاً عیسائی مذہب میں بھی تعددِ ازدواج کی اجازت ہے۔

تو جب دنیا میں محدود صلاحیت، محدود طاقت اور محدود گنجائش کے باوجود متعدد بیویوں کا ذکر مذاہب کی کتابوں میں اور مذاہب کے رہنماؤں کے لیے ملتا ہے اور سلاطین اور بادشاہوں کے لیے بہت ساری بیویوں کا تذکرہ ہے، تو اگر آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو ایک یا دو یا اس سے زیادہ حور عطا فرمادیں تو اِس میں کون سی بات باعثِ تعجب اور لائقِ اعتراض ہے؟

اصلاحِ معاشرہ (قسط پنجم)

قلب کو اخلاقِ محمودہ سے مزین کرنے کا بیان

ازقلم: مفتی محمد سلطان خان قاسمی، امام وخطیب مسجد ابوبکر صدیق، ڈی جے ہلی، بنگلور

اِس کی تیسری اصل:

زہد کا بیان

زہد کی اہمیت:

قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَاتَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَامَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ، وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ○﴾ (سورۂ طٰہٰ، آیت:۱۳۱، پارہ:۱۶، پارہ رکوع: ۱۷، سورۂ رکوع:۸) ''حق تعالیٰ فرماتا ہے: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس مال وجاہ کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھو جو ہم نے کافروں کو دنیا کی تازگی کی جنس سے دے رکھا ہے کہ اس سے مقصود ان کو فتنہ میں ڈالے رکھنا ہے اور تمہارے پروردگار ہی کی عطا بہتر اور زیادہ پائیدار ہے''۔ (تبلیغ دین، ترجمہ از: منہاج العابدین: ص۱۷۴)

آیتِ کریمہ کی تشریح:

یعنی دنیا میں قسم قسم کے کافروں مثلاً: یہود، نصاریٰ، مشرکین اور مجوسی وغیرہ کو ہم نے عیش وتنعم کے جو سامان دیے ہیں، اُن کی طرف آپ کبھی آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیے (جیسے اب تک نہیں دیکھا) یہ محض چندروزہ بہار ہے، جس کے ذریعہ سے ہم ان کا امتحان کرتے ہیں کہ کون احسان مانتا ہے اور کون سرکشی کرتا ہے، جو عظیم الشان دولت حق تعالیٰ نے اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کے لیے مقدر کی ہے، مثلاً قرآنِ کریم، منصبِ رسالت، فتوحاتِ عظیمہ، رفعِ ذکر اور آخرت کے اعلیٰ ترین مراتب اس کے سامنے ان فانی اور حقیر سامانوں کی کیا حقیقت ہے؟ آپ کے حصہ میں جو دولت ہے وہ ان کی دولتوں سے کہیں بہتر ہے اور بذاتِ خود یا اپنے اثر کے اعتبار سے ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ بہرحال آپ نہ ان کی تکذیب واعراض سے مضطرب ہوں نہ ان کے ساز وسامان ومال ودولت کی طرف التفات اٹھائیں۔ (تفسیر عثمانی سورۂ طٰہٰ، آیت:۱۳۱، از مولانا شفیع عثمانیؒ صاحب، مفتیِ اعظم پاکستان)

﴿وَلَاتَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ'' کے مخاطب کیا نرے رسول اللہؐ ہیں؟

مذکورہ بالا تفسیر سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں سے مخاطب ہوکر زہد وقناعت اختیار کرنے کی ترغیب دی؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی شروع دن سے ہی زہد وقناعت اور دنیا سے بیزاری سے مزین تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے قبل بھی لوگوں سے اور دنیا کی چیزوں سے دُور ہوکر عبارت کے لیے غارِ حرا تشریف لے جاتے اور معمولی غذا پر اکتفاء کرتے۔

اِس سے معلوم ہوا کہ ﴿وَلَاتَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ﴾ کے اصل مخاطب ہم ہیں؛ نیز ﴿لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ﴾ کے عبارت النص سے بھی یہ بات واضح ہورہی ہے کہ اللہ پاک ہم ایمان والوں کو دنیا کے اِس ظاہری فتنہ سے بچانا چاہتے ہیں۔

جب کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس فتنہ؛ بلکہ تمام تر دنیوی فتن سے محفوظ رکھا ہوا ہے؛ لہٰذا ﴿وَلَاتَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ﴾ کے اصل مخاطب ہم ہوئے۔ اور زہد وقناعت کے سب سے زیادہ محتاج ہم ہیں، ہم کو چاہیے کہ ہم اپنے اندر زہد وقناعت کی اعلیٰ صفت کو اختیار کرکر اپنے قلب کو اخلاقِ محمودہ سے آراستہ وپیراستہ کریں۔

زہد علمِ دین کا ثمرہ ہے

قارون ملعون کے قصہ میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے کہ: وہ بَن سنور کر ٹھاٹھ کے ساتھ جلوس میں نکلا اور بعض لوگوں کو یہ تزک واحتشام دیکھ کر حرص ہوئی، تو جن لوگوں کو علم مرحمت ہوا تھا وہ کہنے لگے کہ افسوس! تم اس ناپائیدار چیز کی حرص کرتے ہو، دیکھو! حق تعالیٰ کا ثواب سب سے بہتر چیز ہے۔ (تبلیغ دین، ترجمہ از: منہاج العابدین: ص۱۷۴)

آیاتِ کریمہ اور تشریح ملاحظہ فرمائیں:

﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ، قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ○﴾ (سورۂ قصص: ۷۹-۸۰)

یعنی قارون لباسِ فاخرہ پہن کر بہت سے خدم وحشم کے ساتھ بڑی شان وشوکت اور ٹیپ ٹاپ سے نکلا، جسے دیکھ کر طالبین دنیا کی آنکھیں چندھیا گئیں، کہنے لگے: کاش! ہم بھی دنیا میں ایسی ترقی کرتے اور عروج حاصل کرتے جو اِس کو حاصل ہوا، بیشک یہ بڑا ہی صاحبِ اقبال اور بڑی قسمت والا ہے۔ (لیکن) سمجھدار اور ذی علم

لوگوں نے کہا کہ: کم بختو! اس فانی چمک دمک میں کیا رکھا ہے جو تجھے جاتے ہو، مؤمنین صالحین کو اللہ کے یہاں جو دولت ملنے والی ہے اُس کے سامنے یہ ٹیپ ٹاپ محض ہیچ اور لاشی ہے، اتنی بھی نسبت نہیں جو ذرّہ کو آفتاب سے ہوتی ہے۔ دنیا سے آخرت کو بہتر وہی جانتے ہیں جن سے محنت سہی جاتی ہے اور بے صبرے لوگ حرص کے مارے دنیا کی آرزو پر گرتے ہیں، نادان آدمی دنیا کی آسودگی دیکھ کر سمجھتا ہے کہ اس کی بڑی قسمت ہے، اس کی شب و روز کی فکر و تشویش، دردِسری اور آخرت کی ذلت کو اور سو (۱۰۰) جگہ خوشامد کرنے کو نہیں دیکھتا اور یہ نہیں دیکھتا کہ دنیا میں کچھ آرام ہے، تو دس بیس برس اور مرنے کے بعد کاٹنے ہیں ہزاروں برس (موضح بتغیر یسیر)۔

(تفسیر عثمانی از: مولانا شفیع صاحب عثمانی مفتیِ اعظم پاکستان، سورۂ قصص، آیت: ۷۹-۸۰)

حضرت حجۃ الاسلام شیخ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ آیاتِ بالا سے یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جن کے پاس علمِ دین ہوگا اور جو آخرت کے علم کو حاصل کیے ہوئے ہوں گے وہی لوگ اِس دنیا کے دھوکہ اور اس کے فنا ہونے کو سمجھ پائیں گے اور جہاں تک ہو سکے اپنی زندگی کو اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر قناعت کرتے ہوئے گزاریں گے؛ نیز حضرت مفتی شفیع صاحب عثمانیؒ کی تفسیر سے بھی یہی بات واضح ہو رہی ہے۔

اقتباس: از بیان حضرت مولانا عمر صاحب پالنپوریؒ

''اللہ جل جلالہٗ نے دنیا والوں کو جو چیزیں عطا کر رکھی ہیں وہ تو ان کے امتحان کے لیے ہیں؛ تاکہ وہ لوگ خوب اس میں ملوث ہو کر اللہ کے نافرمان بن جائیں اور ایک دم اللہ کی پکڑ ان کو دبوچ لے جیسا کہ گھر کی مستورات چوہے کو پکڑنے کے لیے مٹھائی رکھتی ہیں، کبھی پھل رکھتی ہیں اور کبھی مزہ دار کھانا رکھتی ہیں؛ تاکہ اس چوہے کو اپنے جال میں پھنسا سکیں اور چوہا سمجھتا ہے کہ اس گھر میں میری ہر ایک سہولت کا انتظام ہے، مجھے وقت پر کھانے کو مزہ دار چیزیں مل رہی ہیں اور میری ہر ایک ضرورت کا یہاں انتظام ہے، تو وہ ان چیزوں کو دیکھ کر اس خوش فہمی اور دھوکہ میں رہتا ہے کہ مجھے ہمیشہ اسی گھر میں رہنا ہے؛ لیکن جب غلطی سے بھی کسی پنجرہ میں چوہا پھنس جاتا ہے تو پھر چوہا خود اپنی آنکھوں سے اپنا انجام دیکھ لیتا ہے۔

یہی حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جو دیندار بننے کے بجائے دنیادار بننا چاہتے ہیں اور اس میں مگن رہنا چاہتے ہیں؛ لیکن جہاں تک مسئلہ علم والوں اور اہلِ معروفت کا ہے وہ دنیا کے دھوکہ کو سمجھ کر زندگی گزارتے ہیں اور زہد و قناعت والی خوبی کے ساتھ زندگی گزارنے کو سعادت سمجھتے ہیں''۔

زہد کی فضیلت

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جوشخص صبح اُٹھتے ہی دنیا کے غم میں گرفتار ہوجاتا ہے، حق تعالیٰ اُس کا دل پریشان کردیتا ہے اور ملتا اُسی قدر ہے جتنا اس کی تقدیر میں لکھا جاچکا ہے اور جوشخص صبح اُٹھتے ہی آخرت کی فکر میں لگ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا قلب مطمئن رکھتا ہے اور اس کی دنیا کو خود حفاظت وکفالت فرماتا ہے، اس کے دل کو غنی کردیتا ہے اور دنیا اتنی مرحمت فرماتا ہے کہ یہ منھ پھیرتا ہے اور دنیا اس کے پیچھے بھاگی چلی آتی ہے۔ (تبلیغ دین، ترجمہ از: منہاج العابدین: ص ۱۷۴)

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن زيد بن ثابت رضي اللّٰه عنه قال سمعت رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم يقول: من كانت الدنيا همه فرّق اللّٰه عليه أمره وجعل فقره بين عينيه ولم يأته من الدنيا إلّا ماكتب له، ومن كانت الآخرة نيته جمع اللّٰه له أمره وجعل غناه في قلبه وأتته الدنيا وهي راغمة.

(رواه ابن ماجة: ص/ ۳۰۲ باب الهمّ بالدنيا، مكتبه تهانوي، ديوبند، يوپي)

اِس حدیثِ مبارکہ میں زہد کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جوشخص صبح اس حال میں کرے کہ اس کے دل میں آخرت کی فکر ہو اور وہ اپنے دنیوی احوال کو اللہ کے سپرد کردیتا ہو، تو پھر اللہ پاک اس کے دل کو دنیوی تفکرات سے خالی کردیتے ہیں اور اس کے ہر ایک کام کو خیر وعافیت کے ساتھ اختتام تک پہنچاتے ہیں؛ حالاں کہ اس شخص کو ان کاموں اور تقاضوں کی فکر سوار نہیں رہتی، اس کے برخلاف جوشخص اس حال میں صبح کرے کہ اس کے دل میں دنیا کی فکر بھری رہتی ہے تو اللہ پاک اس کے احوال پریشان کردیتے ہیں؛ حالاں کہ یہ شخص دنیا کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں دیتا ہے، بڑی مشقت اُٹھاتا ہے اور اس کو ملتا وہی ہے جو مقدر میں ہوتا ہے۔

زہد؛ شرح صدر کی علامت ہے

حق تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت کرتا ہے اُس کا شرحِ صدر کردیتا ہے۔ اس کی تفسیر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمائی ہے کہ اس کے قلب میں ایک نور داخل فرمادیتے ہیں جس سے اس کا سینہ منشرح ہوجاتا ہے، صحابہؓ نے دریافت کیا یارسول اللہ! اس کی شناخت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ: دنیا سے بے رغبتی اور دین کی جانب توجہ اور موت سے پہلے موت کا انتظار کرنا، شرحِ صدر کی خاص پہچان ہے۔ (تبلیغ دین، ترجمہ از منہاج العابدین: ص ۱۷۴)

حدیث شریف پیشِ خدمت ہے:

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه قال تلا رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم: فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ فقال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم: إن النور إذا دخل الصدر إنفسخ فقيل يارسول اللّٰه! هل لتلك من علم يعرف به؛ قال: نعم! التجافي عن دار الغرور والإنابة إلٰى دار الخلود والاستعداد للموت قبل نزوله. (رواه البيهقي في شعب الإيمان) (مشكاة: ص/ ۴۴۹، كتاب الرقاق، الفصل الثالث)

اِس حدیثِ مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے استفسار پر شرحِ صدر کی تین علامتیں بیان فرمائی ہیں: (۱) دھوکہ کے گھر (دنیا) سے کنارہ کشی اختیار کرنا کہ جس محبوب بندے کو اللہ پاک شرحِ صدر فرماتے ہیں تو حقیقت اُس کے سامنے واضح ہوجاتی ہے کہ دنیا دارالبقاء نہیں ہے اور یہاں کی چیزیں ابدی نہیں ہیں، تو پھر وہ اس سے بچنے کی اور اس کے دھوکہ سے محفوظ رہنے کی ہمیشہ کوشش کرتا ہے (۲) دارالبقاء کی جانب رجوع کرنے والی صفتِ محمود اس کے اندر پیدا ہوجاتی ہے، جس کے ذریعہ وہ اپنی آخرت کو سنوارتا چلا جاتا ہے اور اس دنیا کے دھوکہ سے کوسوں دُور ہوتا چلا جاتا ہے (۳) جس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ وہ موت سے پہلے موت کی تیاری کرلیتا ہے کہ اس کو اس دنیا میں رہنے کی خواہش کرنے کے بجائے اپنی اصل منزل آخرت کی جانب کوچ کرنے کی فکر دامن گیر رہتی ہے، جس کی وجہ سے وہ موت کو ہمیشہ سامنے رکھ کر زندگی گزارتا ہے اور موت سے قبل اس کی تیاری کرلیتا ہے۔

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا جو شخص زہد کی صفت سے متصف ہوجائے تو پھر اللہ پاک اس کو ان تینوں خوبیوں سے نوازتے ہیں جن کے سبب انسان کی آخرت سنور جاتی ہے اور جس کو آخرت کی فکر لاحق ہو، اللہ پاک خود اس کی دنیا بھی سنوار دیتے ہیں۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: جس کو حق تعالیٰ زاہد بناتا ہے اُس کے قلب میں حکمت القا فرماتا ہے اور دنیا کی بیماری وعلاج سے آگاہ کردیتا ہے اور اس جہاں فانی سے بے لوث باہر نکال کر دارالسلام میں پہونچا دیتا ہے، اس کے بعد صحابہؓ سے فرمایا کہ: صاحبو! حق تعالیٰ سے حیاء کرو، صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! حیا تو کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جہاں رہنا نہیں ہے وہاں مکان بناتے ہو اور جو کھا نہیں سکتے وہ جمع کرتے ہو۔

یادرکھو! کہ بندہ کا ایمان اس وقت کامل ہوتا ہے جب کہ گوشۂ گم نامی میں پڑے رہنے کو شہرت سے زیادہ پسند کرے اور دنیا کے متعلق ہر شئ کی قلت اس کی اکثریت سے زیادہ محبوب سمجھے، خوب سمجھ لو کہ جب انسان دنیا میں زاہد بنتا ہے تو حق تعالیٰ اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہے اور جب وہ خدا کا محبوب بن جاتا ہے تو مخلوق کی نظروں میں بھی محبوب ہوجاتا ہے۔ (تبلیغ دین ترجمہ از منہاج العابدین: ص ۱۷۵، مترجم حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ)

مذکورہ بالا حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو جن دو باتوں کی جانب توجہ دلائی ہے دراصل ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں؛ کیوں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو "کُلُّھُمْ عَدُوْلٌ" ہیں اور "اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ" جیسی بشارتوں سے نوازے گئے ہیں اور قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ کا مژدہ بھی عطا فرمایا ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے واسطے سے ساری امتِ مسلمہ کو ان باتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ہم صحابہؓ کی بہ نسبت مکانات زیادہ تعمیر کرتے ہیں، صحابہؓ سے بڑھ کر ہم مال جمع کرتے ہیں۔

صحابہؓ کے مقابلہ میں ہم زیادہ دنیا میں پھنسے رہتے ہیں اور ہمارے دلوں میں ہوائے نفس نے گھر کر رکھا ہے؛ لہٰذا ہم کو چاہیے کہ اس حدیث اور اس جیسی احادیثِ مبارکہ سے نصیحت حاصل کریں اور دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو سامنے رکھ کر زندگی گزاریں۔ اللّٰھم وفقنا به آمین.

❑❖❑

تحقیقات

مشہور نعت: ''نبیٔ اکرم، شفیع اعظم'' کا نقلی و عقلی جائزہ

مولانا محمد یاسین صاحب قاسمی، استاذ مدرسہ مرکز العلوم بنگلور

بڑوں کی طرف منسوب قول و عمل کی تحقیق ضروری ہے:

اصل مقصودِ تحریر سے پہلے، بہ طور تمہید ایک واقعہ اور ایک حکیمانہ ہدایت جان لینا اور سمجھ لینا، مناسب و مفید ہے۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ- جو مفسر قرآن اور ''سچ''، ''صدق'' اور ''صدقِ جدید'' اخبارات کے ذمہ دار ہیں- اپنی کتاب: ''حکیم الامت-نقوش و تاثرات'' میں رقم فرماتے ہیں:

''۱۹۲۸ء کی فروری تھی کہ پنجاب کے ایک روزنامہ میں ایک ہزاروی بزرگ کی روایت سے یہ مضمون شایع ہوا کہ: مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حج کے لیے گئے، تو اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ٹھہرے۔ حاجی صاحب کے سامنے استفتاء پیش ہوا کہ: ترغیب و ترہیب کے موقع پر آیا موضوع حدیث سے استناد جائز ہے؟ حاجی صاحب نے فتوائے جواز دے دیا؛ اور تائید کے لیے مولانا سے اصرار کیا۔ اور مولانا نے شد و مد سے انکار کیا اور مرشد کا گھر چھوڑ دیا۔ شب میں عالم رویا میں حاجی صاحب کو تنبیہ کی گئی۔ اور صبح کو انھوں نے آکر مرید سے معافی مانگی۔- قصہ طویل تھا، محض خلاصہ درج ہوا- اُس وقت دلچسپی کے موضوع، اِسی قسم کے قصے، تذکرے تھے۔ اور حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے تو بہت گرویدگی تھی۔ مثنوی کے بہترین شارح تھے اور حکیم الامت کے مرشد۔ جی میں آیا کہ روایت کی تحقیق مولانا سے کر ڈالیے۔ وہ دونوں بزرگ اب زندہ نہیں، نہ سہی؛ تیسرے تو موجود ہی ہیں۔ ان دونوں کی یادگار، دونوں کے عاشق زار اور خود بھی ماشاء اللہ محقق نام دار.....خط، اُسی اخبار کے تراشے کے ساتھ روانہ کیا۔ جواب ۲۳/فروری کو حسبِ ذیل موصول ہوا:

مکرمی سلّمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں مسرور ہوا کہ آپ نے روایت میں احتیاط فرمائی۔ جواباً عرض ہے کہ حق تعالیٰ اِس ارشاد: ﴿لَاتَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ سے ثابت ہوا کہ جس خیال یا مقال کی کوئی دلیل صحیح و سند معتبر

نہ ہو، اُس کا اعتقاد اور اُس پر عمل اور اُس کی روایت، سب ناجائز ہے۔ اور یہ روایت ایسی ہی ہے، جس کی کوئی سندِ موثوق نہیں؛ لہٰذا اس کے ثبوت کا دعویٰ یا اعتقاد، ناجائز ہے۔۔۔ علاوہ اِس کے یہ روایت، اُصولِ محدثین پر معلول ہے؛ کیوں کہ جن لوگوں کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق معلوم ہے، وہ قیامت تک بھی اِس کی تصدیق نہیں کر سکتے حضرت حد درجے متبع سنت، ومتبع علماء اور ضروری اُصولِ دین سے ماہر تھے، پس قصہ، یا مخترع ہے، یا اس میں کچھ غلط ہو گیا ہے۔
تھانہ بھون کا خانقاہ نشین، نِرا صوفی صافی نہیں، دماغ بیدار رکھنے والا، روایتوں کو جانچنے والا، پرکھنے والا، صاحبِ علم ہے، یہ سبق، اِس مختصر خط سے ایک بار پھر تازہ ہوا''۔

(حکیم الامت-نقوش وتاثرات:۹-۱۰)

اِس سچی روایت اور حکیمانہ ہدایت سے معلوم اور ظاہر ہوا ہے کہ: عوام کی جانب عموماً، اور خواص کی جانب خصوصاً، کوئی قول وعمل اور فکر وخیال، منسوب کیا جائے، تو معتبر نقلی وعقلی معیار پر اُس کی تحقیق ضروری ہے۔ خواہ وہ بات، اخبارات میں، مضامین میں شائع ہو جائے؛ خواہ وہ کسی محترم بزرگ سے نقل ہو جائے۔ اگر معتبر سند اور مستند دلیل ہے تو اِس کا اعتبار اور روایت کرنا جائز ہے؛ نہیں تو نہیں۔ یہ اخلاقاً وشرعاً مطلوب ہے، عوام کے لیے عموماً اور خواص کے لیے خصوصاً۔

لہٰذا حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے اِس واضح اور تازہ کردہ بیان کی روشنی میں اِس مضمون میں اُس نعت کا نقلی وعقلی جائزہ پیش کیا گیا ہے، جس کا آغاز: ''نبی اکرم، شفیع اعظم، دُکھے دلوں کا پیام لے لو'' ہوتا ہے اور جس کے بارے میں مشہور کر دیا گیا ہے کہ: یہ حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی نعت ہے، اِس وقت اِس مضمون کی ضرورت کیوں ہے، یہ آخری بیانات سے ظاہر ہو جائے گا۔ غرض ہے:

کلام بہ اعتبارِ ثبوت وروایت:

(۱) ''عرفانِ عارف'' حضرت حکیم الاسلام کے اشعار کا مجموعہ ہے، اِس مجموعے میں ''نبی اکرم، شفیع اعظم'' نعت نہیں ہے، جب کہ ۱- یہ مجموعہ حضرت کی حیات میں، کتب خانہ قاسمی دیوبند سے سال: ۱۹۶۷ء میں طبع ہوا ہے، جو دارالعلوم وقف دیوبند کے کتب خانے میں، اردو ادب کی الماری میں ۱۶۹۹ نمبر پر دستیاب ہے۔ ۲- جب کہ اِس کو آپ کے مجھلے فرزند: حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جمع ومرتّب فرمایا ہے۔

(۲) ''حیاتِ طیب'' جو حضرت کی وفات کے اکتیس برس بعد طبع وشائع ہونے والی کتاب ہے، اِس میں بھی ''نبی اکرم، شفیع اعظم'' نعت نہیں ہے، جب کہ ۱- اِس کتاب میں حکیم الاسلام کی شخصیت پر ۲۰۰۷ء میں منعقد

ہونے والے ''عالمی سیمینار'' میں ''مشاہیر اہلِ علم'' کی ''مستند ومعیاری تحریریں'' ہیں۔۲-جس پر حکیم الاسلام کے دوفرزند: مولانا سالم صاحب، مولانا اسلم صاحب؛ اور عزیز وقریب ترپوتے: مولانا سفیان صاحب کی تقریظات ہیں۔۳-جو حکیم الاسلام کے پڑپوتے: مولانا شکیب صاحب قاسمی اور دارالعلوم وقف کے قدیم ومشہور استاذ: مولانا غلام نبی صاحب قاسمی کی ترتیب کردہ ہے۔۴-جس میں حضرت حکیم الاسلام کی شاعری پر تقریباً پچپن صفحات پر کلام ہے۔۵-جس میں وہ اشعار بھی ہیں جو نہایت غیر مشہور، بل کہ متروک کالمعدوم ہیں، جن کا علم، شاید ہی کسی کو ہو۔(غور کریں: اہلِ بیت، مشاہیر علماء، معیاری تحریریں، عالمی سیمینار اور خاص عنوان میں بھی، یہ نعت نہیں ہے۔ بھلا جو نعت مشہور کردہ ہو، کیا وہ عالمی سیمینار میں، مشاہیر علماء اور اہلِ بیت سے، عقلاً وعادتاً متروک ونا قابلِ التفات ہوسکتی ہے؟!)

(۳) ''دارالعلوم دیوبند اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمی''۔حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ (استاذ دارالعلوم وقف دیوبند) کی کتاب ہے؛ جو مکتبۃ النور دیوبند سے ۲۰۱۹ء میں طبع ہوئی ہے۔اِس میں ''حکیم الاسلام کا ادبی ذوق اور شعروشاعری'' کا عنوان ہے اور یہ نعت نہیں ہے۔

(۴) ''حکیم الاسلام، ایک باکمال شاعر''۔مولانا عبدالحفیظ رحمانی صاحب کا مضمون ہے، اِس میں حضرت کی بعض نظمیں ونعتیں اور بعض اشعار منقول ہیں۔ نیز اِسی میں ''بارگاہِ نبوت میں فریاد'' کے عنوان کی ایک نعت اور اُس کے چند اشعار بھی نقل ہیں؛ لیکن مولانا نے اِس خاص مضمون میں، اِس نعت کا ذکر تک نہیں ہے۔ بھلا ''بارگاہِ نبوت میں'' کے مناسب یہ نعت ہے، اور مشہور کردہ ہے تو اِس کا ذکر کیوں نہیں فرمایا؟۔ (دیکھو: حیاتِ طیب: ۲/۱۴۷-۱۵۸)

(۵) غالباً ۱۹۹۷ء یا ۱۹۹۸ء کی بات ہے، شہر بنگلور میں سیرتِ پاک کے اجلاسِ عام میں حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تھے، اُس وقت ایک مجلس میں حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب زیدمجدہٗ (بانی ومہتمم وشیخ الحدیث جامعہ مسیح العلوم بنگلور) نے اس نعت کے متعلق معلوم کیا، تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

ہم گھر والوں میں سے کسی کو بھی اِس کا علم نہیں ہے، نہ ہی آپ کے مسودات وکاغذات- جو کہ ہمارے پاس محفوظ ہیں، اُن- میں ہے۔کسی نے یہ بات چلادی کہ: یہ کلام ابا جی کا ہے، اور انتقال کے بعد تکیہ کے نیچے سے برآمد ہوا ہے؛ حالاں کہ انتقال کے وقت سے پہلے سے ہی ہم میں سے دو چار حاضر خدمت رہتے ہی تھے، ہم میں سے کسی کو اِس کے بارے میں نہیں معلوم نہیں۔(آج سے تقریباً پانچ چھ سال پہلے حضرت مفتی صاحب زیدمجدہٗ سے دوبارہ سننے کی وجہ سے راقم کے حافظے میں تازہ اور محفوظ رہ گئی)

(۶) حضرت مولانا محمد شکیب صاحب قاسمی زید مجدہٗ (استاذ دارالعلوم ویقف دیوبند) سے عاجز نے معلوم کیا، تو مولانا نے جواب میں کہا کہ: کوئی حتمی بات میرے علم میں بھی نہیں ہے، بہت زیادہ تحقیق نہیں ہے، معروف تو یہی ہے؛ مگر نہیں کہا جاسکتا کہ یہ حضرت کی نعت ہے۔ ابا جی نے دادا جان سے معلوم کیا تو آپ نے غیر انداز میں کہا: میں نے بھی سنا کہ تکیہ کے پاس سے ملی۔ یہی بات ہے، اِس بارے میں کوئی حتمی بات کہنا ممکن ہی نہیں ہے۔ (عاجز نے حضرت مولانا اسلم صاحب کا مذکورہ قول ذکر کیا، تو مولانا نے فرمایا: چچا جان نے جو کلام: (عرفانِ عارف) کے نام سے جمع کیا ہے اور جو مطبوع ہو چکا ہے، اُس میں بھی یہ نعت نہیں ہے، چچا جان کو اِس سے خاص مناسبت تھی، ان کی بات زیادہ قابلِ اعتبار ہے۔ اس کے علاوہ مزید اور بھی کلام ہے، جو چھپا نہیں ہے، جو مسودات اور ڈائری میں ہمارے پاس محفوظ ہے۔ ان شاء اللہ ان کو بھی طبع کرنے کا ارادہ ہے۔ (ہماری یہ گفتگو، ۲۶/اگست ۲۰۲۳ء کو، بعد نمازِ عشاء، بہ وقت 9:19 بہ ذریعہ فون ہوئی)

(۷) حضرت مولانا مفتی فہیم صاحب دامت برکاتہم (استاذ دارالعلوم دیوبند) نے بتایا کہ:

اِس کے بارے میں دونوں رائیں ہیں: کچھ لوگ دعویٰ کرتے ہیں اور کچھ لوگ منع کرتے ہیں۔ ان کی طرف سے کوئی مستند بات نہیں ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت کے بستر سے تحریر برآمد ہوئی تھی، دوسرے لوگ اُسے نہیں مانتے۔ حضرت کے خاندان میں بھی بہت سے حضرات نے تردید کی ہے، کوئی تحقیقی بات نہیں ہے اِس بارے میں، اللہ جانتا ہے، اِس کا تخلیق کار کون ہے؟ (مفتی صاحب کی یہ بات ۲۶/اگست ۲۰۲۳ء کو بعد نمازِ عشاء، بہ وقت: 9:28 واٹس اپ پر راقم کے نام موصول ہوئی)

غور فرمائیں: (۱) حضرت مولانا اسلم صاحب رحمۃ اللہ علیہ عدمِ علم کا اظہار فرمارہے ہیں، جب کہ آپ حکیم الاسلام کے فرزند، عرفانِ عارف کے مرتب، خود بھی شاعرانہ ذوق والے ہیں۔ (۲) حضرت مولانا سفیان صاحب زید مجدہٗ سے بھی عدمِ علم کی بات منقول ہے، جب کہ آپ حکیم الاسلام کے پوتے ہیں، قریب تر و عزیز تر اور شریکِ سفر و حضر ہیں، جن کے پاس وفات کے قریب لکھے ہوئے بعض اشعار محفوظ ہیں۔ (۳) مولانا شکیب صاحب قاسمی، جو حکیم الاسلام کے پڑپوتے، حجۃ الاسلام اکیڈمی کے نگرانِ عالی، حیاتِ طیب کے مرتّب ہیں، اِن سے بھی اِس بابت عدمِ علم کا اظہار ہے، جب کہ یہ حضرات، اہلِ بیت ہیں۔ اِن کی جانب سے عدمِ علم کی تصریحات ہیں اور اب تک بھی یہی ہیں۔ کیا، جو نعت مشہور کر دی گئی ہے، اُس کا صحیح علم، ان حضرات کو بھی نہیں ہوگا اور کیا اب تک بھی نہیں؟ جب کہ اکتیس برس کا طویل ترین عرصہ بیت گیا..... دیگر حضرات علماء سے بھی عدمِ علم کی تصریحات منقول ہی، اِس سے کیا سمجھا جائے؟ سمجھدار کی سمجھ میں آتا ہے۔

آخر کس نے اِس کو حضرت کی طرف منسوب کیا؟

کس نے کہا کہ: یہ نعت حکیم الاسلام کی ہے اور پھر کن لوگوں نے اِس کو اِسی نسبت واسناد کے ساتھ مشہور کیا، اِس کا پختہ علم، اہلِ بیت اور مستند مشاہیر علماء کو بھی نہیں ہے؛ البتہ: ''حکیم الاسلام، دارالعلوم دیوبند کی ایک مظلوم شخصیت'' کے نام سے ایک کتاب ہے، جس کے مرتّب جناب محمد اسعد صدیقی صاحب (رکنِ شعبۂ تنظیم وترقی دارالعلوم دیوبند) ہیں، جو ادارہ انوارالقرآن دیوبند سے چھپی ہے، اِس میں ''حکیم الاسلام، بحیثیت شاعر'' کے عنوان سے جناب عبید اقبال عاصم صاحب (زہرہ باغ علی گڑھ) کا مضمون ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں:

''یقیناً آپ نے اِس کے بعد بھی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی ہوگی؛ خصوصی طور پر دارالعلوم دیوبند کے اجلاسِ صدسالہ کے موقع پر، آپ نے بہت کچھ کہا ہوگا، جو زمانہ کی دست برد سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ حضرت حکیم الاسلام نے دارالعلوم کے قضیہ نامرضیہ کے بعد ایک نعت کہی تھی جو بہت زیادہ مقبول ہوئی اور عرصے تک اُس کے اشعار: ''نبی اکرم شفیع اعظم دُکھے دلوں کا پیام لے لو؛ عجب مشکل میں آ گئے ہم، زمیں بھی دشمن، فلک بھی دشمن؛ تمام دنیا ہے ہم سے بدظن، عجیب مشکل میں کارواں ہے، نہ کوئی اپنا نہ ہم کسی کے؛ تمام دنیا خفا ہے ہم سے تمہیں محبت سے کام لے لو.....'' عوام وخواص کی زبان پر سنے گئے ہیں، جس سے اِس نعت کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے''۔

(حکیم الاسلام، دارالعلوم دیوبند کی ایک مظلوم شخصیت: ۳/۲۷۳)

اِس میں صاحبِ مضمون نے اہلِ بیت اور مشاہیر علماء کے برخلاف پوری قوت وصراحت کے ساتھ اِس کو حضرت کی طرف منسوب کیا ہے۔ مزید یہ بھی بتادیا کہ: اِس کی تخلیق کا سبب قضیہ نامرضیہ ہے، اور اِس کا وقت وموقع وہی زمانہ ہے؛ مگر جناب والا نے یہ نہیں لکھا کہ: کس قابلِ اعتبار سند سے معلوم ہوا کہ: یہ حضرت کی نعت ہے؟۔ جب کہ اہلِ بیت، قریبی حضرات اور مشاہیر علماء کو معلوم نہیں ہے، صرف گمان لگایا اور کہا کہ: ''خصوصی طور پر دارالعلوم دیوبند کے اجلاسِ صدسالہ کے موقع پر، آپ نے بہت کچھ کہا ہوگا، جو زمانہ کی دست برد سے محفوظ نہیں رہ سکا''۔ اور بتادیا کہ اُن کے اِس وہم وگمان کی گنیاد: ''عوام وخواص پر سنی گئی ہے''..... اب سوال یہ ہے کہ (۱) اگر ایسی ''سنی سنائی'' کی بنیاد پر منسوب کرنا درست ہے، تو پھر اہلِ بیت کو اِس کا علم کیوں نہیں ہوا؟۔ اور کیوں انھوں نے نفی اور نفی جیسی بات کہیں؟۔ اور کیوں، اِس مشہور کلام کو، مستند حضرات نے اپنی کتابوں وتحریرات میں شامل نہیں کیا؟ (۲) اور ایسی ''سنی سنائی'' کی بنیاد پر یوں منسوب کرنا اور اُس کے ساتھ وقت وحالات کو لاحق کرنا اور یوں مزید باتوں کا گمان لگانا؛ ازروئے انصاف قضیہ مرضیہ ہے یا نامرضیہ؟!۔

آخر یہ کلام، ہے کس کا؟

''رنگ ونور'' اور ''نورِ فاراں'' یہ دو شعری مجموعے ہیں، اِن کے مرتب، ناشر اور شاعر جناب محمد عثمان بن جناب محمد میاں جان ہیں، جن کا تخلص: عاقل ہے، جو شہرِ مرادآباد کے ہیں، پہلا مجموعہ متعدد حضرات کی تقریظات کے ساتھ دسمبر ۱۹۹۲ء میں طبع ہوا ہے، دوسرا مجموعہ جولائی ۱۹۹۴ء میں طبع ہوا ہے، اِن دونوں میں یہ مکمل نعتیہ کلام موجود ہے، جس کا آخری شعر، شاعر کے تخلص کے ساتھ اِس طرح درج ہے:

یہ دل میں اَرماں ہے اپنے عاقل! مزارِ اقدس پہ جا کے اِک دن
سناؤں اُن کو میں حال دل کا، کہوں میں اُن سے سلام لے لو

غور فرمائیں: (۱) ایک نہیں، دو مطبوع رسالوں میں موجود ہے (۲) دونوں کے مرتّب وناشر خود شاعر صاحب ہی ہیں (۳) شیخ رضی بدایونی (چیف ایڈیٹر دارالسلطنت دہلی) اور جناب پروفیسر عنوان چشتی (پروفیسر جامعہ ملّیہ اسلامیہ دہلی) اور جناب سیّد اختر الاسلام (مدیر ہفت روزہ میرٹھ یوپی) کی تقریظات (رنگ ونور) میں مذکور ہیں، یہ اُمور، ثبوت ونقل کے مستند دلائل ہیں..... اِس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام اِنھیں کا تخلیق اور نشر کردہ ہے۔

کلام بہ اعتبارِ عقل ودرایت:

اب تک جو کچھ کلام ہوا وہ نقل وروایت کے اعتبار سے تھا، اب عقل ودرایت کے اعتبار سے، داخلی وخارجی قرائن کی روشنی میں اِس کا جائزہ لیتے ہیں۔ سب سے پہلے آپ پورا کلام کہیں سے ایک بار مطالعہ فرمالیں اور اُس کے مضمون وحاصل کو پیشِ نظر رکھ لیں، پھر درج ذیل قرائن پر غور فرمائیں۔

پہلا قرینہ: ہمارے حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات وہدایات اور اعلیٰ صفات ونیک خصائل کا مشاہدہ کرنے والے عینی شاہدین کی قلبی شہادتیں، تقریراً اور تحریراً بیان کرتی ہیں کہ: حضرت یوں تو متعدد فضائل واخلاقِ حسنہ سے موصوف تھے؛ مگر تواضع وسادگی، حلم وبردباری، اعلیٰ ظرفی وکریم النفسی، خوش روئی وشیریں کلامی میں اور عفوودرگزر، غیبت ومداح سرائی سے اجتناب میں بے مثال اور روشن نمونہ تھے، اپنے متعلقین کو عموماً اور اہلِ بیت وقریبی حضرات کو خصوصاً عام حالات میں اور آخری لمحات میں بھی اپنی ''وصیت'' میں اِنھیں اوصاف کو اپنانے کی نصیحتیں فرمائی ہیں..... تفصیل کے لیے (حیاتِ طیب) کا مطالبہ فرمائیں۔ یہاں صرف دو مثالیں پیش ہیں:

حضرت مولانا سیّد انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میری موجودگی میں ایک صاحب کا تجوید میں تقرر ہوا، کسی نے کان میں چپکے سے کہا کہ: امیدوار کا

تعلق فلاں گروپ سے ہے، جھنجھلا کر فرمایا: اِس سے کیا ہوتا ہے کہ فلاں سے ہے، فلاں سے نہیں؛ دیکھنا یہ ہے کہ دارالعلوم کے لیے مفید ہیں یا نہیں''۔ (حیاتِ طیب:۲۴/۲)

حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خط نقل فرمایا ہے، جو وصال سے صرف دو تین مہینے پہلے حضرت مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا ہے، اُس میں حضرت حکیم الاسلامؒ کا بیان ہے:

''میں نے اپنے چھوٹوں کو بھی خطاوار نہیں سمجھا کہ اُن کی زبان پر معافی کی بات آئے.....معاملہ ہم سے کسی کی ذات کا نہیں، نہ معافی کا ہے.....ہم سب اپنی خطاؤں کی معافی اللہ تعالیٰ سے مانگیں..... اُس دن سے جس نے دارالعلوم اور جماعتِ دارالعلوم کو یہ دن دکھائے، میں نے تین الفاظ اختیار کر لیے ہیں: ''اَلسُّکُوْتُ، وَالصَّبْرُ، وَالْغِنٰی''اِنھیں تینوں پر اب بھی قائم ہوں''۔

(پسِ مرگ زندہ:۱۲۶)

غور کریں اور بتائیں کہ: (۱) ہمارے حضرت جو کہ صبر وسکوت، رضا بالقضا کا نمونہ ہیں، جنھوں نے تکلیف پہونچانے والوں کے خلاف خلوت وتنہائی میں بھی ایک حرف سننا گوارا نہیں کیا اور کہنے والے کو فوراً جھنجھلا کر نکیر کر دیا؛ کیا ایسے ہمارے حضرت -شاعرانہ زبان ہی میں سہی- ''زمیں بھی دشمن، فلک بھی دشمن، زمانہ بدظن، رہزن'' وغیرہ کہیں گے؟! (۲) اگر جواب ہاں میں ہے تو کیا یہ قول وعمل کا تضاد نہیں کہلائے گا؟۔

دوسرا قرینہ: حضرت مولانا اسلم صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

''آپ کی شاعری، شعر گوئی کے بہ جائے واقعات وحادثات پر ذہنی تاثر، حقیقی جذبات اور تبادرِ ذہنی پر مبنی ہے.....آپ کے تمام اشعار میں تصنع وپُرکاری کے بہ جائے سادگی وسلاست اور خلوصِ جذبات ہے۔ یہی ان اشعار کی سب سے بڑی خصوصیت اور دل کشی ہے اور یہی بنیاد حضرتؒ کی صنفِ غزل سے عدمِ دلچسپی کی ہے، جس کی تعمیر محض نزاکتِ تخیل اور ندرتِ اظہار وبیان پر ہے۔ واقعات وحادثات سے متاثر ہو کر سادگی کے ساتھ اپنے جذبات کی عکاسی میں حضرتؒ کا کلام نزاکتِ تخیل کے بہ جائے متصوفانہ رنگ سے مزین ہے''۔ (عرفانِ عارف:۸)

مولانا عبدالحفیظ رحمانی لکھتے ہیں:

''اتباعِ سنت سے سرمو انحراف بھی ان کے تصور سے خارج تھا.....غزلیات وقصائد سے وہ نباہ نہیں کر سکے.....معبودِ حقیقی کی ذات وصفات میں گم ہو کر کہا.....اسلامی فطرت کے مطابق اسی محبوبِ

حقیقی کی بارگاہ میں عشق ومحبت کے ترانے پیش کیے۔ ذاتِ وحدت کے بعد ذاتِ نبوت سے عقیدت ومحبت کا اظہار، ان کا سرمایۂ حیات تھا''۔ (حیاتِ طیب:۱۴۸/۲)

عرفانِ عارف اور حیاتِ طیب میں حضرت کے حمدیہ ونعتیہ اشعار موجود ہیں، اُن سب میں یہی اسلامی مزاج چھلکتا ہے، اِس میں افراط اور بے اعتدالی نظر نہیں آتی ہے.....مگر جناب عاقل صاحب کی شاعری میں یہ دونوں باتیں مفقود نظر آتی ہیں۔غلو ومبالغہ اور غزلیات کا رنگ زیادہ نظر آتا ہے؛ چناں چہ الحاج محمد احمد دلکش لکھتے ہیں: ''عاقل صاحب غزل کے شاعر ہیں''۔ (دیکھو: رنگ ونور:۵/اور۱۴)

پروفیسر عنوان چشتی لکھتے ہیں: ''عاقل صاحب نے اپنے رنگ افشاں جذبات، نور بیز خیالات اور مجروح تمناؤں کو رومانی انداز میں پیش کیا ہے'' (ایضاً) یہاں جناب عاقل صاحب کی نعتوں کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تم ابتداء ہو تمھیں انتہا ہو، رسول اللہ!
ہو کائنات کا تم مدعا، رسول اللہ!

جب سفینہ میرا طوفاں کے قریب آیا تھا
لب پہ بے ساختہ اِک نامِ حبیب آیا تھا

احترام عرشِ اعظم کا ملحوظ تھا، قربِ عرشِ بریں رُک گئے مصطفیٰ
پردۂ نور سے گونج اُٹھی صدا، سرورِ انبیاء آیئے آیئے

کیا شانِ محمد ہے کیا رُتبۂ عالی ہے
دنیا میں جسے دیکھا، اُس در کا سوالی ہے

سخت مشکل میں اپنا ہے اب کارواں، کوئی منزل نہ منزل کا کوئی نشاں
دہر ہے طعنہ زن، پاسباں راہزن؛ راہ دکھلائے راہ دکھلائے

عاقل بے نوا کا ہر اِک مدعا آپ پورا کریں یا حبیبِ خدا
احمد مصطفیٰ، شاہِ جود وسخا، مونس دشمناں، تم پہ لاکھوں سلام

تیسرا قرینہ: اِسی طرح دنیاوی مصائب وحوادث اور لوگوں کی طرف سے پیش آنے والی زیادتیوں پر حکیم الاسلام کی شاعری میں صبر وتحمل اور رضا بالقضا کا اظہار نظر آتا ہے، جس سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ آپ صابر

وشاکر اور راضی بالقضا ہیں۔ جب کہ جناب عاقل صاحب کی شاعری میں اس کے برخلاف بے صبری وکرب؛ اور لوگوں کی زیادتی و بے اعتنائی پر شکوہ سنجی کا بیان زیادہ نظر آتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب والا ''مجروح تمناؤں کے شاعر'' ہیں، جیسا کہ اِن کے بارے میں تقریظ میں لکھا ہوا ہے، اشن کا یہ حال سمجھنے کے لیے اِن کے چند اشعار پیش ہیں:

اب دوہرا ہر اِک شخص کا کردار لگے ہے
جو بھی ہے یہاں، صاحبِ فن کار لگے ہے

جب بھی تعمیر کیا ہم نے نشیمن اپنا
برق کی زَد میں رہا دوستو! گلشن اپنا

وہ لذتیں خوشی کی، الم کا مزا نہیں
شاید میرے نصیب میں اب کچھ رہا نہیں

مِری داستانِ محبت نہ پوچھو سراسر غموں کی کہانی ملے گی
قدم در قدم دل تڑپتا ملے گا، سسکتی ہوئی زندگانی ملے گی

حضرت کی طرف اِس نسبت کی تحقیق کیوں ضروری واہم ہے؟

ایک معتبر دارالافتاء کی ویب سائٹ پر سوال وجواب موجود ہے۔

سوال کا حاصل یہ ہے کہ: اشعار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے مشکل کشائی کے لیے پکارنا اور مدد مانگنا شرک ہے یا نہیں؟

جواب کا حاصل یہ ہے کہ: ان جیسے مسائل کا تعلق عقیدے ونیت سے ہے، فاسد عقیدے ونیت سے خالی ہوکر فرطِ محبت میں اِس طرح خطاب کرنا شرک نہیں، سلفِ صالحین سے منقول اشعار کی یہ تاویل وتوجیہ ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ: ''حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''علماءِ دیوبند کا دینی اور مسلکی مزاج'' ہے۔ حضرت نے اس کتاب میں علماءِ دیوبند کے عقائد کو بسط وتفصیل سے لکھا ہے اور اس عقیدے کی تردید کی ہے؟ جب کہ حضرت کی مشہور نعت: ''نبی اکرم، شفیع اعظم، الخ'' میں خود کچھ ایسے جملے ہیں جن سے استمداد کا پتہ چلتا ہے۔

اِس جواب کے پیشِ نظر درج سوالات اور اشکالات پیدا ہوتے ہیں، جن کا جواب اہم ومطلوب ہے۔

پہلا سوال: جماعتِ علماءِ دیوبند، عالمِ اسلام اور اہلِ حق کی بڑی ومضبوط جماعت ہے، اِس جماعت کے ''دینی رُخ اور مسلکی مزاج'' کی تشریح کے لیے مضبوط بنیاد کی ضرورت ہے؛ لہٰذا یہ نعت اور اُس سے استدلال، صحیح وقبول تب ہے، جب معتبر دلیل سے پہلے یہ ثابت وظاہر ہو جائے کہ یہ حضرت ہی کی نعت ہے، خصوصاً اِس لیے کہ سوال، عقیدے وعمل سے ہے، اور جواب اِسی امر کی تحدید وتشریح میں ہے۔

دوسرا سوال: اِس نعت میں ''استمداد بغیر اللہ'' یعنی شرک کا شبہ وشائبہ ہے؛ جیسا کہ جواب میں خود اِس بات کا اظہار ہے۔ اِس صورت میں سوال یہ ہے کہ کیا حضرت حکیم الاسلام کی طرف ایسی نعت کا کہنا منقول اور منسوب مانا جائے گا؟ اگر چہ کہ ''ممکن ومحتمل'' ہے؛ مگر سوال ''ثبوت وتحقق'' کا ہے، جس کے لیے معتبر سند کا ہونا پہلے ضروری ہے۔ خصوصاً اِس لیے کہ حضرت صرف ایک فرد نہیں ہیں؛ بل کہ ''مسلک علماء'' کے ''ترجمان وشارح'' ہیں اور اِس لیے بھی حضرت کی بابت تصریح ہے کہ: آپ سراپا متبعِ سنت ہیں، سنت واعتدال کے خلاف کا تصور آپ سے بعید ہے۔

تیسرا سوال: جو ایک لحاظ سے پہلے دو سوالات سے زیادہ اہم ہے اور جس کا جواب شرعاً واخلاقاً مطلوب ہے، وہ یہ کہ: اگر یہ نعت، حضرت ہی کی ہے تو پھر جناب عاقل صاحب کا اِس کو اپنی نعت کہنا، اپنے تخلص کے ساتھ لکھنا، دو تالیفات میں طبع کرنا، اہتمام واستمرار کے ساتھ شائع کرنا، اِس کی طباعت میں اپنا نفقہ وخرچہ لگانا، پھر ان کی کتابوں پر دیگر حضرات کا تقریظات لکھ کر تائید وتوثیق ظاہر کرنا؛ اِن سب کا کیا حکم ہے؟.....اور اگر معاملہ برعکس ہے، تو اس کو حضرت حکیم الاسلام کی طرف منسوب کرنا، اِس نسبت کا اعتقاد رکھنا، روایت کرنا اور پھر اس کلام کی تشریح میں اِس کے وقت، سبب، حالات اور شخصیات کا الحاق کرنا، اِس کا کیا حکم ہے؟ ہر دو صورت میں جواب بہت اہم ہے اور یہ موقوف ہے اِس بات پر کہ اِس کلام کی نسبت معتبر دلیل ومستند طریق سے ثابت وصحیح ہو۔

نوٹ: ہوسکتا ہے کسی کو شبہ ہو کہ: جب مشہور ہے، تو اس کا اعتبار کیوں نہ کیا جائے؟ جواباً عرض ہے کہ: ہر مشہور، ایک درجے کا نہیں ہوتا، جو مشہور، شرعی وعقلی معتبر دلیل پر قائم ہو، وہی معتبر ہے؛ ورنہ نہیں ہے۔ مطلق مشہور کا اعتبار کرنے جائیں گے تو پھر ایسی ایسی مشہور باتیں، معتبر ٹھہریں گی جو کہ شرعاً اور عقلاً غیر معتبر ہیں؛ بل کہ فاسد وباطل ہیں۔

نوٹ: یہی سوالات ہیں جو اِس عاجز کے لیے اِس عنوان پر اِس قدر تفصیلی تحریر قلم بند کرنے کا عامل ومحرک ثابت ہوئے۔

چند خرابیوں کا ذکر:

''سنی سنائی'' کی بنیاد پر جس طرح حضرت حکیم الاسلام کی جانب اِس کی نسبت مشہور کر دی گئی ہے، اِسی طرح اِس کے ساتھ بہت ساری باتیں لاحق کر دی جاتی ہیں، جو نہ صرف غیر صحیح ہیں؛ بل کہ حضرت حکیم الاسلام کی تعلیمات وہدایات کے خلاف ہیں، مزید یہ کہ حضرت پر گو ناظلم ہے.....وہ کیسے؟ وہ ایسے کہ:

☆(Internet) پر پڑوس ملک کے کسی اخبار کا تراشہ پڑا ہوا ہے، جس کو مختلف ذرائع میں پھیلایا جاتا ہے اور جس میں پڑوس ملک کے ہمارے ہی متعدد علماء کی تصاویر ہیں.....نمایاں الفاظ میں جس کی سُرخی یوں باندھی گئی ہے:

''دارالعلوم دیوبند کے قاری طیبؒ کی یہ فریادی نعت قاری محمد طیبؒ نے اپنے بیٹے کو دارالعلوم دیوبند کا مہتمم بنانا چاہا اور شوریٰ نے نہیں بننے دیا؛ تو یہ نعت پڑھی''۔

جو ہوا، ماضی میں ہی رہنے دیجیے۔ مگر یہ بتائیے کہ: کیا اِس سُرخی میں حضرت پر ظلم وستم نمایاں نظر نہیں آتا؟ کیا اِس میں حضرت جیسی حق پرست شخصیت پر تعصب کا الزام نہیں ہے؟ کیا حضرت جیسی پاکیزہ نفس پر اولاد پرستی، خودغرضی وخودستائی کے الزامات نہیں ہیں؟ کیا ہمارے حضرت کی حیاتِ طیبہ میں یہ نفسانی آلائشیں دکھائی دیتی ہیں؟

☆ جب بھی یہ نعت پڑھی جاتی ہے فوراً قضیہ نامرضیہ، ناگفتہ بہ حالات اور حضرت کی مظلومیت کی یاد، سنانے وسننے والے کے ذہنوں اور دلوں میں تازہ ہو جاتی یا کر دی جاتی ہے۔ پھر ذہنی وقلبی اور زبانی وقلمی غیبتیں شروع ہو جاتی ہیں۔ جب کہ ہمارے حضرت حکیم الاسلام نے اپنے لیے، اپنوں کے لیے اور سب کے لیے ''اَلسُّکُوْتُ، وَالصَّبْرُ، وَالْغِنٰی'' ہی میں دنیا وآخرت کی بھلائی وسرخ روئی سمجھا اور اپنے قول وکردار سے اِسی امر کی نصیحت ووصیت فرما گئے۔

حرفِ اختتام:

الغرض! یہ نعت اور حضرت کی طرف اِس کی نسبت، چوں کہ غیر معمولی اور اہم ہے؛ اِس لیے اِس کے بارے میں اِس قدر تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اور جو بات اِس عاجز کے سامنے ثابت وظاہر ہوئی ہے اُسی کا اظہار کیا گیا ہے۔ اگر اِس کے ثبوت کے حوالے سے کسی کے پاس کوئی معتبر ومستند دلیل ہو، تو اظہار سے دریغ نہ کرے؛ اِس لیے کہ اِس اظہار سے بہت سارے مسائل کا جواب، بہت سارے شبہات کا حل اور بہت سارے فوائد وابستہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی اصلاح فرمائیں۔ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر گام زن رکھیں۔ فقط

تحقیقات

ماہِ ربیع الاوّل اور ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

از: مفتی احمد اللہ نثار صاحب قاسمی، ناظم دارالعلوم رشیدیہ وصدر دارالافتاء والارشاد حیدرآباد

محمد مصطفیٰؐ آئے بہاروں پر بہار آئی
زمیں کو چومنے جنت کی خوشبو بار بار آئی

وہ دانائے سبل، ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقان وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

عقلمند انسان اپنا ہر کام خوب سے خوب تر کرنا چاہتا ہے، اس کے لیے کوئی ماڈل ہونا ضروری ہوتا ہے؛ تاکہ اپنے کام کو موازنہ کرکے بہترین انداز میں پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے۔ زندگی گزارنا بھی ایک اہم کام ہے؛ چوں کہ یہ صرف ایک بار ملتی ہے۔ زندگی بہتر انداز میں بسر کرنے کے لیے پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے، جن کی اتباع سے دنیا اور آخرت میں کامیاب وکامران رہیں گے، بشرطیکہ اس نمونہ کا ذکر بار بار ہوتا رہے۔ یاد رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کا مطالعہ ہمیں دوسری تمام سیرتوں کے مطالعہ سے بے نیاز کرسکتا ہے؛ مگر دوسری تمام عظیم ہستیوں کا مطالعہ آپ صلی اللہ علیہ سلم کی سیرت سے ہمیں بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

آپ نے وقت کی رفتار بدل کر رکھ دی
وقت چلتا ہے؛ مگر آپ کی رفتار دیکھ کر
زندگی آج بھی پاسکتی ہے معراج مگر
آپ کے حُسنِ عمل، رفعتِ کردار دیکھ کر!

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں تم جو کوئی بھی ہو اور جس حال میں بھی ہو تمھاری زندگ کے لیے

نمونہ تمھارے سیرت واخلاق کی درستگی کے لیے سامان تمھارے ظلمت کدہ کے لیے ہدایت کا چراغ اور راہنمائی کا نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ کامل اور سیرتِ پاک میں ہر وقت مل سکتا ہے۔ اِس لیے ہر طبقۂ انسانی کے ہر فرد کے لیے ہر طالبِ حق کے لیے، حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے۔

اللہ مراتب بلند کرے اکبرالہ آبادی کے، سیرت کی اہمیت کا عطر ایک شعر میں پیش کر دیا ہے:

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

سیرتِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو صرف چند مذہبی عقائد اور اعمالِ صالحہ کا مجموعہ قرار دینا سیرت پر ظلم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو صرف طہارت، نماز، روزہ، حج اور زکاۃ تک محدود رکھا جائے، ایسا سمجھنے والے صرف نماز میں سر جھکاتے نہیں ہیں؛ بلکہ ہر باطل کے آگے جھکا دیتے ہیں؛ کیوں کہ جس نے سیرت کے پیغام کو محدود کر دیا، اس کی نظر میں حق بھی محدود ہو گیا، جب کہ حیاتِ مبارکہ بین الاقوامی طور پر پوری انسانی تہذیب وتمدن کی اصلاح وتعمیر کا جامع عنوان ہے۔ قرآن کے ابدی اُصولوں کی تفسیر ہے، قرآنِ مجید کے مقدس پیغام کی تکمیل ہے۔

آخر کچھ تو بات تھی کہ ''مائیکل ہارٹ'' جیسا عیسائی مصنّف اپنی کتاب (The One Hundred) میں عیسائی ہونے کے باوجود سرفہرست آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھنے پر مجبور ہے اور حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے کہ:

''میری عقیدت بار بار میرا دامن کھینچتی ہے کہ میں یہ مقام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دُوں۔ میں نے عرصہ تک اِس بات پر غور کیا؛ مگر میرا دماغ کہتا ہے کہ بڑا تو وہ ہے جس نے انسانی مسائل کو ٹھیک انداز میں حل کیا ہے اور پھر (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نام ہر لحاظ سے ذہن میں آتی ہے''۔

یورپی عیسائی مصنف ''تھامس کارلائل'' (Hero Hero Worship) نامی کتاب کا مصنف؛ جو برٹش میوزیم ہال میں لیکچر دیا کرتا تھا، جسے سننے کے لیے پورے یورپ سے لوگ چلے آتے تھے، اس نے جب (Hero as Prophet) پر لیکچر دیا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب کیا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ مقام حضرت عیسیٰ کا ہے۔ سارے ہال میں شور مچ گیا، لوگ ہال چھوڑ کر جانے لگے، اس نے کسی کی پرواہ کیے بغیر اپنا لیکچر جاری رکھا۔ اور کہنے لگا:

''اگر تم میں سے ایک بھی آدمی نہ ہوگا تب بھی اپنا لیکچر پورا کروں گا۔ میں دیوار کو لیکچر دیتا رہوں گا؛ چناں چہ آدھا گھنٹہ وہ دیوار کی طرف منھ کر کے بولتا رہا، اس کے لیکچر میں بے پناہ جوش وخروش تھا آخر سارے لوگ آہستہ آہستہ کر کے واپس آ گئے''۔

اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تو بڑے پیار ومحبت سے لے، نام آنے پر انگوٹھے کو چوم لے؛ مگر عملاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل اور عمل کی پیروی نہ کرے تو ایسا شخص دعوائے حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جھوٹا اور اس کا دل حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا معیار تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی ہی ہے۔ عربی شاعر لکھتا ہے:

تَعْصِي الإِلٰه وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهُ ❖ هٰذا محالٌ في القياس بديعُ

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهُ ❖ إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعُ

ترجمہ: تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی بھی کرتا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ بھی رکھتا ہے۔ واللہ! یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے۔ اگر تیری محبت سچی ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کرتا؛ کیوں کہ محبّ تو اپنے محبوب کا اطاعت شعار ہوا کرتا ہے۔

ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر دَور میں ہوتا رہا ہے اور آج بھی ہو رہا ہے، ڈاکٹر محمود احمد غازی (م ۲۰۱۰ء) لکھتے ہیں کہ ''گزشتہ دوسو سال کے دَوران برِّصغیر میں سیرتِ پاک کے موضوع پر کماً وکیفاً اتنا وقیع کام ہوا ہے کہ اس پر برِّصغیر کے مسلمان باشندوں کو نہ صرف بارگاہِ ربّ العلیٰ میں سجدۂ شکر ادا کرنا چاہیے؛ بلکہ برِّصغیر میں جو کام ہوا ہے اس پر ہمیں کسی حد تک احساسِ تفاخر بھی ہونا چاہیے''۔

مزید لکھتے ہیں:

''انیسویں صدی کے وسط سے مطالعۂ سیرت کی جو غیر معمولی سرگرمی برِّصغیر میں دیکھنے میں آئی، اس کی مثالیں دنیائے اسلام میں کم ملتی ہیں''۔

(ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضراتِ سیرت، اریب پبلی کیشنز نئی دہلی، ۲۰۱۰ء ص ۵۸۵)

مگر افسوس یہ ہے کہ سیرت کا تذکرہ بعض لوگ تو صرف معلومات کے حصول کے لیے کرتے ہیں، کوئی پروگراموں میں اپنی برتری ثابت کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، بعض یورپ کی تقلید میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یومِ پیدائش تفاخر کے طور پر مناتے ہیں کہ ہمارے پاس بھی ایک عظیم پیغمبر ہے۔ جب کہ انہیں سیرت کی معلومات اتنی بھی نہیں ہوتی ہیں جتنی بعض پڑھے لکھے غیر مسلموں کو ہوتی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق

صرف معلومات تو مشرکین کو تھیں، وہ چشم دید گواہ تھے؛ مگر ان کی یہ محض معلومات ان کے کسی کام نہ آسکیں۔ بعض تو ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بھی شیرینی کے تھال، پھولوں کے گجرے، ہار، قمقموں اور فانوسوں کی ضیاء پاشیاں، مبالغہ آمیز نعت خوانی اور قوالی، حسنِ صوت اور حسنِ ترنم کے بے پناہ جادو کو سمجھتے ہیں، اور عملاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کا کوئی اثر زندگیوں میں نمودار نہیں ہوتا، جب کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی محبوب طریقے سے ہونا چاہیے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ربیع الاوّل میں اِس قدر مجالسِ سیرت منعقد ہونے کے باوجود معلومات میں اضافہ تو ہوتا ہے؛ مگر دلوں میں وہ انقلاب نہیں جو زندگیوں کو بدل دے، کوئی غیر مسلم مسلمان نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی گناہ گار توبہ کرتا ہے، بعض لوگ علو پسند لوگوں کی مخالفت میں نفسِ ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بھی ترک کر دیتے ہیں۔

کسی غمگسار کی نعمتوں کا یہ خوب میں نے صلہ دیا
کہ جو میرے غم میں گھلا گیا اسے میں نے دل سے بھلا دیا

تیرے حسنِ خلق کی ایک رمق میری زندگی میں نہ مل سکی
میں اسی میں خوش ہوں کہ شہر کے در و بام کو تو سجا دیا

تیرے ثور و بدر کے باب سے میں ورق اُلٹ کے گزر گیا
مجھے صرف تیری حکایتوں کی روایتوں نے مزا دیا

ماہِ ربیع الاوّل اور ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

ماہِ ربیع الاوّل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے ایک خاص مناسبت ہے، اس مہینے میں مولانا وسیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، اسی ماہ میں نبوت ملی، اسی ماہ میں ہجرت ہوئی، اسی ماہ میں رحلت ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں کا کوئی دن اور کوئی لمحہ ایسا نہ ہو کہ اس کے دل کی دنیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد سے آباد نہ ہو؛ اس ماہ کی خصوصی نسبت کی وجہ سے عام طور پر اِس موقع پر زیادہ جلسے کیے جاتے ہیں، اخبارات ورسائل کے نمبرات نکلتے ہیں، مختلف طریقوں پر سیرتِ طیبہ کے تذکرہ کو تازہ کیا جاتا ہے؛ مگر جلسوں کو ربیع الاوّل تک محدود کر دینے سے یہ پیغام ملتا ہے کہ مسلمان اپنے نبی کو صرف سال میں ایک مرتبہ ماہِ ربیع الاوّل ہی میں یاد کرتے ہیں، جب کہ سال کے بارہ مہینے اور مہینے کے تیس دن؛ بلکہ ۲۴ گھنٹے نبی کی سیرت کو پیشِ نظر رکھنے کے مکلّف تھے، شب وروز کے معمولات، مسلمان کی رفتار وگفتار، طور

وطریق سے نبی کی یاد تازہ کی جاتی، ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ایک ماہ کے ساتھ مختص کرنے کے بجائے سال کے بارہ مہینے تذکرۂ سیرت سے معطر کرنا چاہیے، حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ سے کسی نے پوچھا، آپ میلاد کو جائز کہتے ہیں یا ناجائز؟ فرمایا: ہم تو ہر وقت اور ہر لمحہ میلاد النبی میں مشغول ہوتے ہیں، کلمہ کا وِرد جاری رہتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو کلمہ نصیب نہ تھا، اُس ذاتِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے کے لیے کیا مہینہ اور دن متعین کیا جاتا ہے؟ حقیقی عاشق ہمیشہ معشوق کے تصور میں کھویا رہتا ہے، لیلیٰ، مجنوں کا کتنا مشہور مقولہ ہے: ''من أحب شيئًا أكثر ذكره''.(۱)

ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم عبادت ہے

ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم عبادت ہے، اذان واقامت اور نماز جیسا اہم فریضہ درود (ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم) سے خالی نہیں؛ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جشن سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن (تعلیمات) کی فکر ہو، ذکرِ لسانی سے زیادہ ذکرِ عملی کا اہتمام ہو، اپنے ہر عمل سے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہو جائے، زبانی ذکر دعویٰ محبت ہے، عملی ذکر دلیلِ محبت ہے، دعویٰ بلا دلیل معتبر نہیں ہوتا، عملی زندگی شریعت وسنت کے تابع ہو تو ''ہر دن روزِ عید اور ہر شب شبِ برأت'' کا مصداق ہے، اولیاء کی زندگی عملی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مدرسہ ہوا کرتی تھی؛ اِسی لیے انہیں مستقل میلاد کے جلسوں کی ضرورت نہ ہوتی تھی، جب عملی زندگی کمزور ہوگئی تو رسمی جلسوں کا اہتمام، کردار کے بجائے گفتار کا سکہ چلنے لگا، لیکن یہ بھی بسا غنیمت ہے کہ ربیع الاوّل کے موقع پر ہی سہی کچھ نہ کچھ بیداری ہو جاتی ہے، تذکرہ خواہ نثر میں ہو یا نظم میں بہر صورت باعثِ برکت ہے۔

سیرت سے ناواقفیت کا عالم

نئی نسل کے اندر جہاں بہت سی خرابیاں محسوس کی جارہی ہیں، اُن میں ایک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے ناواقفیت ہے؛ حالاں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اُسوہ بنایا ہے اور جس کو اُسوہ بنایا جاتا ہے اُس کی زندگی کے ایک پہلو کا مطالعہ کرنا اور اُس سے واقفیت انتہائی ضروری ہے؛ لیکن دیکھا یہ جارہا ہے کہ ہماری نئی نسل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کیا! آپ کے نام سے بھی نابلد ہے، ایک ٹک ٹاکر سے پوچھا گیا

(۱) فتح الباری لابن حجر، باب ماجاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة.

کہ ''عائشہ رضی اللہ عنہا کون تھی؟ تو اِس کے جواب میں وہ ٹک ٹاکر (Tiktoker) نے کہنے لگا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی والدہ تھی۔ (نعوذ باللہ) ایک طرف قومِ مسلم کی تباہ کن، گمبھیر اور نازک ترین صورتِ حال ہے، تو وہیں دوسری طرف امتِ مسلمہ کو لاتعداد چیلنجز (Challenges) کا سامنا ہے، کفار چوری، سفا کی، چالا کی وبیبا کی کے ساتھ اسلام کو مٹانے میں مصروف ہیں، اُن کی سب سے بڑی حسرت یہ ہے کہ وہ ہماری نوجوان نسل کو دنیا کی زیب وزینت، مادی زندگی کا عیش وتنعم، بلاموا خذہ جسمانی لذتوں کے مواقع فراہم کر کے روحانی لذتوں سے بے بہرہ کردے، اور رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وتعلیمات کی اصل روح کو مسخ کر کے مسلمانوں کے دلوں سے رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نقش مٹادیں؛ چناں چہ اسلام دشمن محققین اور متعصب مستشرقین نے رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ سے متعلق شکوک وشبہات کو عام کیا، مادّی سطح پر آپ کی شخصیت کو لوگوں کے سامنے پیش کیا، فضائل وکمالات کا اِنکار کیا، اور مقامِ نبوت، حقیقتِ نبوت اور وحی پر شکوک وشبہات پیدا کیے، پھر کیا تھا کہ توہینِ رسالت کے مجرمین اور گستاخانِ رسول بین الاقوامی سطح پر رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر اعتراضات کرنے لگے۔

دراصل اس کی وجہ ہم خود ہیں کہ مطالعہ سیرتِ نبوی اور اس کی حقیقی ضرورت واہمیت کا احساس ہمارے دلوں سے محو ہوگیا ہے، ہماری زندگیوں کی نہج کچھ ایسی بن گئی ہے کہ ہمیں اس اہم خلاء کا احساس بھی نہیں ہوتا، جو ہماری زندگیوں میں مطالعۂ سیرت کے فقدان یا کمی کی بناء پر پیدا ہوگیا ہے اور یہ وہ محرومی ہے جس کا ذمہ دار خود ہمارے اپنے سوا کوئی نہیں ہے۔ (سیرتِ نبویؐ کا مطالعہ؛ وقت کی اہم ترین ضرورت، از مفتی احمد عبید اللہ یاسر قاسمی)

چند مثالیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں جو یوٹوب پر دیکھنے اور چند مضامین پڑھنے سے معلوم ہوا کہ نئی نسل حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے کتنی ناواقف ہیں:

☆ایک نوجوان سے پوچھا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی بیویاں تھیں؟ اِس کے جواب میں کہنے لگا بے شمار (نعوذ باللہ) پھر پوچھا کسی کا نام بتاؤ تو کہنے لگا کہ ''فاطمہ''!۔

☆انجینئرنگ کرنے والے نوجوانوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پوچھا گیا تو تو ایک جوان نے کہا ''چندر بابو نائیڈو'' جو آندھرا پردیش کا CM رہ چکا ہے۔ العیاذ باللہ!

☆کسی موقع سے کلاس کے مسلم ٹیچر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پوچھا تو ایک طالبہ نے بتایا کہ ''گاندھی جی''۔

☆ایک مسلمان نوجوان کہنے لگا: پتہ نہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اتنی شادی کیوں کی؟ یہ کہنا بطورِ اعتراض کے تھا، نہ بطورِ استفہام کے۔

☆ایک صاحب سے پوچھا کہ موت کے فرشتہ کا نام کیا ہے؟ کہنے لگا کہ جبرئیلؑ!

ہماری نئی نسل کو آج کے ہیرو کے نام، اُس کی بیوی کا نام، اُس کی ہٹ فلم، اُس کے بچوں کے نام وغیرہ وغیرہ ازبر یاد رہتے ہیں، وہیں جس نبی کے نام لیوا ہیں اُس سے اتنی ناواقفیت ہے۔

کیا مسلم قوم کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے اِس قدر جہالت پر رونا نہیں آتا؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کی ایسی بے وفائی سے تکلیف نہیں ہوگی، جو اپنے آقا کو نہیں جانا وہ کیا قبر میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانے گا؟۔

سیرت کوئز کی اہمیت وضرورت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہر آن ایک سچے عاشق کی شان ہوتی ہے؛ مگر نہایت افسوس کی بات ہے کہ اکثر مسلمانوں کے مکان میں سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی کتاب نہیں ہوتی ہے، اب تو بہت ضروری کتابیں بھی گھروں میں نہیں پائی جاتیں۔ والدین خود مطالعہ نہ کرتے ہوں تو اُن سے یہ اُمید کیسے کی جائے کہ وہ بچوں کو اس جانب راغب کریں گے، اگر کچھ دیندار شمار ہوں تو ان کے پاس وقت ہی نہیں کہ اس کا مطالعہ کرسکیں اور اس پر عمل کرنا تو کارے دارد؛ اِسی لیے امت کا اکثر طبقہ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادی سیرت سے ناواقف ہے وہیں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری رسول مانتا تو ہے؛ لیکن رسول صلی اللہ علیہ سلم کی باتوں کو نہیں مانتا، جب کہ حکم ہے کہ:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کردے

اسکولی طلباء وطالبات میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ سلم کوئز کا انعقاد عمل میں لانا بے حد ضروری ہے، لاکھوں روپیہ خرچ کر کے جلوس نکال کر اسلام کی شبیہ کو بدنام کرنے سے کہیں زیادہ مخصوص حلقہ میں سیرت کوئز پروگرام منعقد کر لینا جس میں مسلمان طبقہ تو ہو ہی؛ مگر برادرانِ وطن کو بھی اہتمام سے شامل کیا جائے۔

افرادِ خاندان آپس میں سیرت کوئز پروگرام کریں، جس طرح مالی پر باغ کی حفاظت کی ذمہ داری ہوتی ہے، ذرا سی کوتاہی سے باغ تباہ ہوسکتا ہے، اسی طرح والدین اور قوم کے باشعور افراد کی ذمہ داری ہے کہ نسلِ نَو کی ذہنی، تہذیبی، مذہبی اور فکری ارتداد سے حفاظت کریں، ان کی ذرا سی کوتاہی قوم کو تباہی و بربادی کے عمیق غار میں دھکیل سکتی ہے۔

اپنے بچوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت راسخ کرنے کے لیے قرآنِ کریم کی تعلیم کے ساتھ سیرت النبیؐ کا درس دینا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور بزرگانِ دین کی سنت ہے، حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم آپؐ کے مغازی کی تعلیم اِس طرح حاصل کرتے تھے، جس طرح قرآنِ کریم کی تعلیم حاصل کرتے تھے''۔

امام سمعانیؒ کہتے ہیں: ''والدین پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کو آپ کی سیرت سے روشناس کرائیں۔ انہیں بتائیں کہ آپ مکہ میں پیدا ہوئے، قیامت تک آنے والے تمام جن وبشر کی طرف مبعوث ہوئے اور مدینہ منورہ میں ان کا روضۂ اقدس ہے، ان کی اطاعت واجب ہے، ان کے ساتھ محبت جزوِ ایمان ہے''۔ (نہج التربیۃ النبویۃ للطفل)

مدارس میں ربیع الاوّل کی نسبت سے طلبہ میں سیرت کوئز پروگرام کی بہت ضرورت محسوس ہوتی ہے، خیال ہوتا ہے کہ عموماً مدارس میں تو سیرت کا مطالعہ ہوتے رہتا ہے، جب کہ یہ حقیقت نہیں ہے، محض خوش فہمی ہے۔ ایک مدرسہ میں حفظ پڑھنے والی دو جماعتوں کے تیس طلبہ سے پوچھا گیا کہ ''مدینہ منورہ'' کسے کہتے ہیں؟ **الأمـــــان والحفیظ** صرف ایک طالبِ علم جواب دے پایا۔

ہر پیشہ سے منسلک افراد کو ان کے پیشہ کے احکام سیرت کی روشنی میں جہاں سمجھانا ضروری ہے وہیں ان میں بھی سیرت کوئز کا انعقاد ضروری ہے، سیرت کوئز مقابلہ کرانے کا مقصد صرف یہی ہے کہ نئی نسل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا حقیقی علم عام ہو جائے؛ تاکہ وہ اپنی زندگی سیرت کے مطابق گزار سکیں۔

سیرتِ طیبہ کے حقیقی اور انسانیت دوست پیغام کو عام کرنے کی سخت ضرورت ہے، اہانتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سدِّ باب کے لیے علمی وفکری سطح پر پیدا شدہ خلا کو پُر کرنے کی ضرورت ہے، کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ جہل کی وجہ سے توہین کے واقعات سرزد ہوتے ہیں، کیا ربیع الاوّل کے جلوس سے اہانتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ بند ہوا؟ اگر غیر مسلم تک نبی کی سیرت پہنچائی جاتی تو شاید کچھ کامیابی حاصل ہوتی؛ اِس لیے حیاتِ طیبہ کے گوشے کو عام کیا جائے، جس کے لیے سرِ دست اسلامک کوئز، سیرت کوئز شروع کرنا چاہیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو عام نہ کرنے کا بڑا نقصان یہ ہوگا کہ غیروں میں دینِ اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نفرت بڑھتی جائے گی، مزید برآں شدت پسند غیر مسلموں کو شوشل میڈیا پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر اُگلنے کا موقع بھی ملے گا۔ ہم سوچیں کیا ہم نے اشاعتِ دین وحفاظتِ دین کی خاطر کوئی تکلیف برداشت کی؟ خون بہانا تو دُور پسینہ بھی بہایا؟ کبھی بدن پر پتھر کھائے؟ کبھی فاقے سے کبھی پیٹ پر پتھر باندھے؟ صرف تذکرہ ہی تو کرنا ہے، باقی تذکرے کی برکات سے اللہ کروادیں گے۔

سیرت کوئز اسلام میں داخل ہونے کا ذریعہ

کچھ سال قبل صوبۂ کرناٹک کے ساحل پر واقع مشہور شہر بھٹکل میں حضرت مولانا سیّد رابع حسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے زیرِ صدارت منعقد سیرت کوئز پروگرام میں سبق آموز واقعہ پیش آیا، پروگرام غیر مسلم لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے رکھا گیا تھا، امتحان مکمل ہوجانے کے بعد جب انعامی اسٹیج لگا، انعامات کا سلسلہ شروع ہوا، پہلے انعام کی مستحق غیر مسلم طالبہ کو جب بلایا گیا تو وہ اسٹیج پر آکر انعام لینے سے انکار کردیتی ہے، جب اسے یقین دلایا گیا کہ وہ اپنی محنت سے اس انعام کی مستحق ہوئی ہے، پھر بھی وہ انکار کرتے ہوئے کہنے لگی: ''میں اِس انعام کی حقدار نہیں ہوں؛ کیوں کہ سیرت کوئز کا یہ پروگرام غیر مسلم لڑکیوں کے لیے تھا، اور جب میں کوئز میں شامل ہوئی تو غیر مسلم تھی؛ مگر جب سیرت کا مطالعہ کرتی گئی تو سیرتِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دل کی ظلمت کو نور سے بدل دیا اور امتحان لکھنے سے قبل میں مسلمان ہوگئی؛ اِس لیے میں انعام کی حقدار نہیں ہوں۔ سبحان اللہ!

یاد رہے کہ سیرت کے ہزار جلسوں سے ایک غیر مسلم کا مسلمان ہوجانا لاکھ درجہ بہتر ہے۔

ماہِ ربیع الاوّل اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کی آواز

آج ہم ربیع الاوّل کی آمد پر اُس نبی کی جس قدر تعریف وتوصیف کرتے ہیں عملاً اس سے اتنے ہی دُور ہیں، امت کی حالتِ زار پر مولانا آزادؒ یوں ماتم کناں ہیں: ''جب تم اس ماہ کے واقعۂ ولادت کی یاد میں خوشیاں مناتے ہو تو اس کی مسرتوں کے اندر تمہیں کبھی اپنا وہ ماتم بھی یاد آتا ہے جس کے بغیر اب تمہاری کوئی خوشی نہیں ہوسکتی۔ کبھی تم نے اس حقیقت پر بھی غور کیا ہے کہ یہ کس کی پیدائش ہے جس کی یاد کے لیے تم سروسامان کرتے ہو؟ یہ کون تھا جس کی ولادت کے تذکرہ میں تمہارے لیے خوشیوں اور مسرتوں کا ایسا عزیز پیام ہے، آہ! اگر اس مہینہ کی آمد تمہارے لیے جشن ومسرت کا پیغام ہے؛ کیوں کہ اس مہینہ میں وہ آیا جس نے ہمیں سب کچھ دیا تھا، تو میرے لیے اس سے بڑھ کر اور کسی مہینے میں ماتم نہیں؛ کیوں کہ اس مہینہ میں پیدا ہونے والے نے جو کچھ ہمیں دیا تھا وہ سب ہم نے کھودیا؛ اِس لیے ایک طرف اگر یہ ماہ بخشنے والے کی یاد تازہ کرتا ہے تو دوسری طرف کھونے والوں کے زخم کو بھی تازہ ہوجانا چاہیے، تم اپنے گھروں کو مجلسوں سے یاد تازہ کرتا ہے تو دوسری طرف کھونے والوں کے زخم کو بھی تازہ ہوجانا چاہیے، تم اپنے گھروں کو مجلسوں سے آباد کرتے ہو؛ مگر تمہیں اپنے دل کی اُجڑی ہوئی بستی کی بھی کچھ خبر ہے؟ تم کافوری شمعوں کی قندیلیں روشن کرتے ہو؛ مگر اپنے دل کی اندھیاری کو دُور کرنے

کے لیے کوئی چراغ نہیں ڈھونڈتے، تم پھولوں کے گلدستے سجاتے ہو؛ مگر آہ! تمہارے اعمالِ حسنہ کا پھول مرجھا گیا ہے، تم گلاب کے چھینٹوں سے اپنے رومال وآستین کو معطر کرنا چاہتے ہو؛ مگر آہ! تمہاری غفلت کے تمہاری عظمتِ اسلامی کی عطر بیزی سے دنیا کے مشامِ روح یکسر محروم ہیں۔ کاش! تمہاری مجلسیں تاریک ہوتیں، تمہارے اینٹ اور چونے کے مکانوں کو زیب وزینت ایک ذرّہ نصیب نہ ہوتا، تمہاری آنکھیں رات رات بھر مجلس آرائیوں میں نہ جاگتیں، تمہاری زبانوں سے ماہِ ربیع الاوّل کی ولادت کے لیے دنیا کچھ نہ سنتی؛ مگر تمہاری روح کی آبادی معمور ہوتی، تمہاری زبانوں سے نہیں؛ مگر تمہارے اعمال کے اندر سے اُسوۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا کے لیے ترانے اُٹھتے''۔ (رسولِ رحمتؐ: مولانا ابوالکلام آزادؒ)

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ کی پکار

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ امت کی حالت کا یوں رونا روتے ہیں: ''اگر آج ہم اس بڑے امین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوتے تو ہم میں خیانت وبددیانتی کا گزر نہ ہوتا، اگر ہم آج اس رؤف ورحیم کے پیرو ہوتے تو ہمارے دلوں میں ایک دوسرے سے بے اعتمادی وبدگمانی نہ ہوتی، اگر آج ہم نے اس غارِ حرا کے بیٹھنے والے کے آثار مبارک کو اپنا سرمۂ چشم بنایا ہوتا تو ہمارے باطن میں کسی قسم کی گندگی باقی نہ رہ جاتی، اگر آج ہم فاتحِ بدر کی عظمت دل سے کرنے والے ہوتے تو مخالفین کے مقابلہ میں ہمیش شکستیں نصیب نہ ہوتیں، اگر آج ہم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پیام پر سچے دل سے ایمان رکھتے تو اپنی جیسی مخلوقات کے ساتھ بیگانگی اور مخالفت نہ ہوتی، اگر آج سچ بولنے اور سچ کے برتنے والے نبی کے طریقے پر ہم قائم ہوتے تو جھوٹ کا ہماری آبادیوں میں نام ونشان ہی نہ ہوتا، اگر آج ہم کو اسمش مبارک احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لاج ہوتی تو اللہ کی حمد وثنا سے ہمیں اِس قدر گریز نہ ہوتا، اگر آج ہم کو اسمِ گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عملاً کوئی واسطہ ہوتا تو اپنی موجودہ پستی وبدنامی سے یہ مراحل دُور ہوتے، آج جب کہ سارے ملک میں میلاد مبارک کی محفلیں آراستہ ہورہی ہوں گی کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ان کے ساتھ ساتھ ہم اپنے خلوت خانہ قلب میں بھی کچھ دیر کے لیے ذکر پیمبر ویادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل گرم کریں''۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب طریقہ زندگی بھر اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

❑❖❑

اکابرِ دیوبند کے علوم ومعارف

اخلاق واوصاف

(اقتباس از: تذکرۃ الرشید جلد دوم)

ازقلم: مولانا محمد اویس صاحب رشادی، استاذ دارالعلوم شاہ ولی اللہ بنگلور

اخلاق کا لفظ بظاہر نہایت مختصر اور بہت عام فہم ہے؛ مگر حقیقت میں اس کی جامعیت پر نظر ڈالی جاوے تو صدیقیت کا اعلیٰ درجہ حاصل کرنے کیلیے کسی سچے مسلمان کو جن مراحل کے قطع کرنے کی ضرورت ہے وہ سب اِس لفظ کے معنیٰ میں موجود ہے۔ فلکِ ولایت پر پہنچنے کے لیے جس تہذیب واصلاحِ ظاہر وباطن کی حاجت ہے وہ سب خلق کے معنیٰ میں داخل ہیں۔ وہ سچا قانون جس کے ذریعہ سے عالَم کے راہبر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہالت کے دریا میں ڈوبی ہوئی مخلوق کو ہدایت کی شاہراہ پر ڈالا وہ خلق کا مفہوم ہے؛ چوں کہ خلق کا مفہوم سمجھنے میں عام لوگ غلطی کے اندر پڑے ہوئے ہیں؛ اِس لیے اس خلاصۂ کمالات لفظ کی ماہیت وحقیقت کو بوضاحت بیان کرنے کی ضرورت ہوئی۔

ہر ذی روح مرکب ہے جسم وروح سے، روح چوں کہ خود باطنی شئ ہے؛ اِس لیے اِس کی ترکیب اُن قوائے نفسانیہ اور کوائفِ باطنیہ سے ہے جن کا ادراک باطن کی آنکھ یعنی بصیرت سے ہوتا ہے۔

عربی زبان میں جسم کی ترکیب کا نام خلق بفتح الخاء اور اعضاءِ بدنیہ کے متناسب وسڈول ہونے کا نام حسن الخلق یعنی خوبصورتی ہے اور روحانی ترکیب کا نام خلق بضم الخاء اور قوائے نفسانیہ کے معتدل اور حد متوسط پر بے کم وکاست ہونے کا نام حسن الخلق یعنی خوب سیرتی ہے۔ روح کی باطنی ترکیب جن قوتوں اور کیفیتوں سے قائم ہوئی ہے اُن میں چار قوتیں اصل الاصول ہیں، یعنی قوتِ علم، قوتِ غضبیہ، قوتِ شہوت اور قوتِ عقل۔ پس جس طرح بدن کے اعضاء میں اعتدال مناسب سے کمی ہوجانے پر بدصورتی پیدا ہوتی ہے اسی طرح قوائے نفسانیہ میں اعتدال اور میانہ روی کے زائل یا کم وبیش ہونے سے بدخلقی اور بدسیرتی پیدا ہوجائے گی۔

خوبصورت اور حسین وہی کہلائے گا جس کا قد نہ اتنا لمبا ہو جس پر نگاہیں اُٹھیں اور احمق پکاریں اور اتنا پست ہو کہ جھک کر معانقہ کرنا پڑے اور فتنہ کہلائے، رنگ نہ اتنا سیاہ ہو کہ ظلمت برسے اور کالک چمکے اور نہ اتنا سپید ہو کہ بھوراپن دمکے، بدن نہ اتنا فربہ اور بھاری ہو کہ چلنا دُشوار پڑ جائے اور اتنا لاغر ہو کہ ہَوا سے اُڑ جانے کا اندیشہ ہو،

ہاتھ نہ اِتنے دراز ہوں کہ زمین پر گھسٹیں اور نہ اتنے قصیر وکوتاہ ہوں کہ کولھے تک بھی بمشکل پہنچیں، غرض ہر عضو مناسب اور ہر جزوِ بدن معتدل حالت پر ہو، اِسی طرح خوب سیرت وخلیق وہ شخص کہلائے گا جس کی قوتِ علمیہ نہ اتنی کمزور اور محدود ہو کہ حق و باطل میں فرق نہ کر سکے اور نہ اِتنی فراخ وآزاد ہو کہ متشابہات کا پیچھا کرنے یا مسائل ذات وصفات کی کنہ معلوم کرنے کے درپے ہو جائے، قوتِ غضبیہ جس کو غصہ کہتے ہیں نہ اِتنی ضعیف ہو کہ حق تعالیٰ کی نافرمانی ومعصیت دیکھ کر بھی جوش نہ آئے اور نہ اِتنی آزاد و بے قید ہو کہ معذرت کرنے والے کی توبہ پر بھی کان نہ دھرے، شہوت جس کو خواہش کہتے ہیں نہ اِتنی حد سے بڑھے کہ حرص وہوا کہلائے اور اِتنی مقدار گھٹے کہ تکبر و بے مروتی یا عجب وخودرائی پیدا کرے، عقل نہ اتنی بیباک اور نِڈر ہو کہ مکاری وچالبازی کا خطاب پائے اور نہ اِس درجہ قلیل ہو کہ کند ذہنی و بیوقوفی کہلائے، غرض کے یہ چاروں اعضاء اعتدال اور میانہ روی پر قائم ہوں، تب خلقِ حسن ہوگا۔

قوتِ علمیہ کی حالتِ معتدلہ کا نام حکمت ہے، جس کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَى الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ (جس کو چاہتے ہیں حکمت یعنی اعتدالِ علم عطا فرما دیتے ہیں اور جس کو حکمت مل گئی اُسے خیرِ کثیر حاصل ہوگئی)۔

اعتدالِ عقل کا ثمرہ یہ ہے کہ عقائد میں حق و باطل کا امتیاز ہو، اقوال کے اندر سچ اور جھوٹ میں فرق کر سکے، اعمال میں نیکوکاری و بدکاری کی تمیز ہو، سنت کو سنت سمجھے اور بدعت کو بدعت، طاعت کو سببِ نجات جانے اور معصیت کو ذریعۂ ہلاکت وخسران۔

قوتِ غضبیہ کے اعتدال کا نام شجاعت ہے، جس کا ثمرہ ہے جود وسخا، ہمت ودلیری، بردباری واستقلال، کظم غیظ یعنی غصہ ضبط کرنے کی طاقت اور جب قوتِ غضبیہ حد سے بڑھ جاتی ہے تو اُس کا نام تہور ہے، جس کی بدولت شیخی مارنا، انجام نہ سوچنا، تکبر کرنا اور اپنے کو اچھا سمجھنا پیدا ہوتا ہے اور جب حد معتدل سے گھٹتی ہے تو اُس کا نام جبن ہے، جس کی بدولت بے غیرتی وکاہلی، چھچھورا پن، ذلّت ورسوائی کا گوارا کرنا لاحق ہوتا ہے۔

قوتِ شہوت کے اعتدال کا نام عفت ہے، جس کے ثمرات ہیں: حیا و پارسائی، رضا وقناعت، خوف وخشیت، مخلوق کے ساتھ احسان وسلوک کرنے کی خواہش وتمنا، اور جب قوتِ شہوانیہ اعتدال چھوڑ کر کم یا زیادہ ہوتی ہے تو حرص ولالچ، چاپلوسی، عاجز مخلوق کے سامنے عاجزی وتذلل، غرباء کو بنظرِ حقارت دیکھنا، بے حیائی، فضول خرچی، ریا وتنگ دلی، حسد وکینہ، بغض وعناد اور نامردانگی کی وہ بدخصلتیں ظاہر ہوتی ہیں جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔

عقل کا اعتدال ذکا کہلاتا ہے، جس کے ثمرات ہیں فراست واصابتِ رائے، تحفظِ ناموس ولطافت، حفظِ مراتب ومحافظت حدودِ شرعیہ، عبدیت وعجز کا احساس اور اپنے مولیٰ تعالیٰ شانہٗ کی قدردانی، جس کی بدولت طاعت میں محبوبیت اور دنیائے ناپائیدار پر باقی رہنے والی آخرت کی ہر لحظہ ہر امر میں ترجیح ظاہر ہوتی ہے اور جب اِس میں کمی بیشی ہوتی ہے تو غباوت، مکاری وجعل سازی، حماقت وحسرت، ایذا رسانی وبے دردی اور بدعادتیں صادر ہوتی ہیں، جو حق تعالیٰ کے نزدیک معیوب اور قبیح ہیں۔